ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی　　مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۲۶

جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۲

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

فروری ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-دارالحدیث رحمانیہ دہلی......	مولانا اسعد اعظمی	۶
۵-صدق وصفا-فیوض وبرکات	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۰
۶-سنن ابن ماجہ کی شروح میں ایک..	عبدالرشید عراقی	۱۴
۷-ہندومت	مولانا محمد مستقیم سلفی	۱۹
۸-خوشحال ازدواجی زندگی کے......	حافظ عبدالرحمٰن سلفی	۲۲
۹-بچپن کی محرومیاں سماج کے لیے...	حماد عبدالغفار سلفی	۲۶
۱۰-مدینہ منورہ قدیم تاریخ کے......	محمد فرقان معین الحق سلفی	۲۸
۱۱-وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۳۵
۱۲-خبر واحد اور اس پر عمل کے شرائط	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۷
۱۳-جو بادہ کش تھے پرانے وہ......	حمید حسن فضل حق مبارکپوری	۴۲
۱۴-نقش عمل (نظم)	فائق بندوی	۴۴
۱۵-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۶-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۶
۱۷-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

تیمّم کا حکم اوراس کا طریقہ

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورہ مائدہ:٦)

ترجمہ: اگرتم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم قضاء حاجت سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں (وضوء یا غسل کے لیے) پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اس (مٹی) سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو، اللہ تم کو کسی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت کو تم پر پوری کردے تاکہ تم شکرادا کرو۔

تشریح: سورہ مائدہ کی اس آیت میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتو پہلے وضوء کرلو اور اگر حدث اکبر ہے تو غسل ضروری ہے، بغیر غسل کے نماز نہ پڑھو، پھر فرمایا کہ وضوء یا غسل کے لیے پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے نماز پڑھو۔

تیمّم کرنے کے لیے چند چیزوں کی مزید وضاحت فرمادی، اس کو اللہ کی نعمت شمار کرنا چاہئے اور اس کے انعام پر شکرادا کرنا چاہئے، ایک بیمار شخص جو پانی استعمال نہ کرسکے یا پانی سے نقصان کا خطرہ ہو، یا حالت سفر میں ہو اور پانی حاصل کرنے میں پریشانی ہو یا کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہوا ہو یعنی حدث اصغر یا عورت سے ملا ہو (جماع کی طرف اشارہ ہے) یعنی حدث اکبر ان تمام صورتوں میں اگر نماز کے لیے وضوء یا غسل کے لیے پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے نماز پڑھے۔

تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ مٹی پر مارکر ان کو آپس میں مَلا جائے پھر ان پر پھونک مارکر چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر پھیر لیا جائے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور مسئلہ پوچھا کہ میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہ ملے تو کیا کروں؟ فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یاد دلایا کہ اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ہم دونوں ایک سریہ میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہوگئے تھے، آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں مٹی میں جس طرح چوپایہ لوٹ پوٹ ہوتا ہے لوٹ پوٹ کر نماز پڑھ لی تھی، میں نے اس عمل کو نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا (کہ مجھے غسل کی ضروت درپیش ہوگئی تھی اور پانی نہ ملا تو میں نے ایسے کرکے نماز پڑھ لی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو بس ایسے کرنا کافی تھا:

نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ کو زمین پر مارا، پھر دونوں ہاتھ میں پھونک ماری پھر ان دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کیا۔ (بخاری:۳۳۱، مسلم:۳٦۸)

اللہ تعالی ہم سب کو نمازی بنائے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۴۲

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. متفق عليه. (مشكاة ج ١، ص ٧٨)

قال فى المرعاة: وأخرجه أيضا أحمد والترمذي وأبوداود والنسائي وابن ماجه، وغيرهم. (مرعاة ج ٣، ص ١٠٨)

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ جس انسان نے (نماز میں) سورہ فاتحہ کی قرأت نہیں کی اس کی نماز نہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مصلی کی کوئی بھی نماز بغیر سورہ فاتحہ کی قرأت کے نہیں ہوگی، مصلی منفرد ہو یا امام یا مقتدی، نماز فرض ہو یا نفل، سری ہو یا جہری۔ یہی روایت امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں اس لفظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کی ہے: "لم يقرأ بفاتحة الكتاب "خلف الإمام" وقال: إسناده صحيح، والزيادة التي فيه صحيحة مشهورة من أوجه كثيرة" (مرعاۃ ج۳،ص۱۰۸) یعنی جس نے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ اس کی سند صحیح ہے، اور ''امام کے پیچھے'' والی زیادتی بہت سی سندوں سے صحیح طور پر ثابت اور مشہور ہے۔

حضرت عبادہؓ کی روایت کے مفہوم میں ایک مفصل مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ان الفاظ میں آئی ہے: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج، ثلاثا، غير تمام. فقيل لأبي هريرة: إنا نكون وراء الإمام؟ قال: اقرأ بها في نفسك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله تعالى: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، ولعبدي ما سأل، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ قال الله تعالى: حمدني عبدي، ...... الخ. رواه مسلم. (مرعاة مع المشكاة ج ٣، ص ١١٦) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کی قرأت کے ادا کی وہ نماز نقص فساد وبطلان والی غیر تمام ہے، یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوں (تو قرأت کریں یا نہ؟) فرمایا: اپنے دل میں پڑھ لو، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے صلاۃ کو (یعنی سورہ فاتحہ کو) اپنے اور بندے کے مابین (معنوی طور پر دو حصے: اللہ کی حمد وثناء، بندے کی طلب ودعاء، میں) تقسیم کر دیا ہے، اور بندہ جو مانگتا ہے وہ پاتا ہے، جب بندہ ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ پڑھتا ہے، تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے، ......الخ۔ (مسلم شریف)

صاحب مرعاۃؒ لکھتے ہیں: "المراد بالصلاة هنا الفاتحة، سميت بذلك لأنها لا تصح إلا بها، كقوله ﷺ: "الحج عرفة" ففيه دليل على وجوبها بعينها فى الصلاة. (مرعاۃ ج۳،ص۱۱۴)

یعنی حدیث میں "الصلاۃ" سے مراد سورہ فاتحہ ہے، اس کو ''صلاۃ'' نام دیا گیا ہے، اس لیے کہ بغیر فاتحہ کے نماز صحیح نہیں ہوتی، جیسے "الحج عرفة" کہا گیا ہے کہ بغیر وقوف عرفہ کے حج نہیں ہوتا ہے، اس روایت میں نماز کے اندر متعین صورت میں وجوب فاتحہ کی دلیل ہے۔

رب العالمین! امت مسلمہ کو نماز کی ہر رکعت میں وجوبی طور پر سورہ فاتحہ پڑھنے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

علم وعمل کی حفاظت

علم اور عمل اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، وحی الٰہی پر مبنی یقینی علم اور اس کے مطابق عمل فرد سے لے کر قوموں تک پر خیر وبرکت اور بے شمار نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ یہ دروازے بند نہیں ہو سکتے جب تک علم اور عمل سے انسان بے پرواہ ہو کر من مانے طریقوں کا راہی نہ بن جائے، خالق ومالک کائنات ایک ایک فرد اور ایک ایک قوم کے اعمال واحوال اور اقوال کو ہر آن اور ہر لمحہ جانتا اور سنتا ہے اور ان کے اوصاف واعمال میں تغیرات کے ساتھ ان کے احوال کو تبدیلی کی جانب مائل کرتا رہتا ہے، دیکھئے اس حقیقت کا اعلان اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کتنی وضاحت کے ساتھ کر رہا ہے:

ذلك بأن الله لم يك مغيرا نعمة أنعمها على قوم حتى يغيروا ما بأنفسهم، وان الله سميع عليم۔ (الانفال:۵۳) یعنی ایسا اس لیے ہے کہ اللہ کسی قوم کو کوئی نعمت دینے کے بعد اسے چھینتا نہیں جب تک وہ اپنی دینی حالت کو بدل کر ناشکری کا راستہ اختیار نہیں کرتی، یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اس آیت سے پہلے ظالم قریشیوں اور فرعونیوں وغیرہ کے انجام بد کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے نبیوں کے یقینی الٰہی علوم واعمال کو ٹھکرایا اور کفر وشرک کی راہوں میں بڑھتے بڑھتے ظلم وطغیان کی حدیں پار کرنے لگے تو اللہ نے اپنی نعمتیں چھین کر انہیں عذاب سے دوچار کر دیا۔

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ مبارکہ یہی ہے کہ آپ ہمیشہ افضل واعلیٰ کام کرتے اور ان اعمال پر دوام برتتے، بعض احادیث میں ہے کہ گویا آپ کا عمل بارش کی جھڑی کی مانند ہوتا یعنی اسے مسلسل انجام دیتے، اور اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اعمال پر ہمیشگی برتنے کی تاکید فرماتے تھے، ایک متفق علیہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا: يا عبد الله لا تكن مثل فلان، كان يقوم الليل، فترك قيام الليل۔ یعنی اے عبداللہ فلاں کی طرح مت ہو جانا کہ وہ رات کو اٹھ کر عبادت کیا کرتا تھا، پھر اس نے رات کو اٹھ کر عبادت کرنا چھوڑ دیا۔ مطلب حدیث کا وہی ہے کہ کوئی خیر کا عمل اپنایا جائے تو اس پر دوام برتا جائے، خیر کا عمل چھوڑ دینے سے برائی کی طرف رغبت کے امکانات پیدا ہونے لگتے ہیں اور وہیں سے اللہ کی نعمتوں کے دروازے بند ہونے کے امکانات بھی پیدا ہونے لگتے ہیں، بعض آیات قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول ﷺ اور کسی شخص سے کیے گئے عہد وپیمان کو پورا کرنے اور قسموں کو نہ توڑنے کی تاکید فرمائی ہے، اسلام کو قبول کرنے کا عہد وپیمان بھی اس میں شامل ہے، سورہ نحل آیت ۹۱ کا ترجمہ یہ ہے: اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے، اور آگے فرمایا: ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا، اس

مثال میں اللہ کے نام کی قسم کے ساتھ کئے گئے عہد کو توڑنا اس عورت کی طرح بتایا گیا ہے جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے، گویا نیکی کی راہ پر چلنے کا عہد کرنے کے بعد برائی کا راستہ اختیار کرنا کسی بھی شخص کے لیے نہایت گھاٹے کا سودا ہے۔

قرآن مجید کے آغاز ہی میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کے سامنے اہل کتاب کے دینی واخلاقی تغیر کا نہایت مفصل نقشہ پیش کردیا ہے، بے شمار انبیاء ورسل ان میں آتے رہے اور انہیں دین اور حسن اخلاق پر جمے رہنے اور اللہ کی بے پناہ نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے رہنے کی تاکید کرتے اور مژدہ سناتے رہے، لیکن مرور زمانہ کے ساتھ انہوں نے اللہ کے دین میں تغیر کرلیا، اپنے اخلاق وعادات کو برباد کرڈالا، دنیا طلبی میں سخت کوشاں ہوگئے اور کفر وتمرد اور پیغمبروں سے بغاوت کی راہ میں حد سے تجاوز کرنے لگے، تو اللہ تعالی نے اپنی پاکیزہ نعمتوں کے دروازے ان پر بند کردیئے اور وہ دنیا کی امامت صادقہ سے محروم کردیئے گئے، ایک آیت قرآنی میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ان کی روش پر چلنے سے اس طرح روکا ہے: ولا يكونوا كالذين أوتوا الكتاب من قبل فطال عليهم الأمد، فقست قلوبهم، وكثير منهم فاسقون۔ (الحدید: ۱۶) اور مسلمان ان لوگوں جیسے نہ ہوجائیں جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہوگئے، اور ان میں سے اکثر بدکردار ہیں۔

اللہ سے بے خوفی اور بے قید دنیا طلبی کے عمومی رجحان میں ہم دیکھتے ہیں تو اسلامی مدارس ہمیں عدل واعتدال، خوف الٰہی اور امن وامان کے ٹکسال اور سچی انسانیت کے اعتدال پرور کارخانے معلوم پڑتے ہیں، مدارس اسلامیہ کا ذکر یہاں خاص طور سے اس لیے کیا گیا کہ یہاں لاکھوں نوخیز طلباء علم وعمل سے آراستہ کئے جاتے ہیں، اس گئے گذرے دور میں بھی یہ مدارس مفت تعلیم وتربیت کے راستے پر گامزن ہیں، مختلف علوم وفنون اور متعدد زبانوں کی تعلیم کے ساتھ طلباء کو خاص طور سے خوف الٰہی، خوف آخرت، حسن اخلاق وکردار، نمازوں کی پابندی، اجتماعیت کے لحاظ، عدل واعتدال کی پاسداری، اپنی سرزمین ووطن کی خدمت کی تیاری، برادران وطن سے حسن سلوک ومحبت اور مفسدہ پردازی وتخریب کاری وبدکرداری کے ہر پہلو سے دوری کی نہ صرف تعلیم دی جاتی ہے بلکہ مختلف اسالیب سے انہیں ان امور کا خوگر اور نمونہ بھی بنایا جاتا ہے، مدارس دینیہ اس خدمت میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے طلباء بھی ان امور میں بے شبہ ممتاز ہیں، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا کہ علم وعمل کی حفاظت اور اس پر اللہ کی نعمتوں کے دروازے کھلنے کا ضابطہ جس طرح دوسروں کے لیے ہے طلباء مدارس عربیہ بھی اس ضابطے کے پابند ہیں، اگر علم وعمل کی حفاظت کے بجائے ان کے ضیاع اور من چاہے راستوں پر دوڑنے کی طلب ان میں سے کسی کے اندر پیدا ہوجائے تو اسے نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں یہ خبر ہے کہ اس کا انجام دونوں جہان کی سعادتوں سے محرومی اور خسران ہے۔

☆☆☆

دارالحدیث رحمانیہ دہلی

مدرسہ کا نصاب تعلیم

مولانا اسعد اعظمی/استاذ جامعہ سلفیہ

کسی بھی ادارہ یا تعلیم کی کامیابی میں اہم رول ادا کرنے والے عناصر میں ایک اہم عنصر نصاب تعلیم ہوتا ہے، یہ نصاب اگر دقت نظر اور دوراندیشی سے مرتب کیا گیا ہوگا تو اس سے خاطر خواہ فوائد سامنے آئیں گے، دارالحدیث رحمانیہ کا نصاب اپنے وقت کے اعتبار سے بہت ہی منصوبہ بند، بہترین اور افراط وتفریط سے پاک نصاب تھا۔

محترم فاروق اعظمی صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی علیہ الرحمۃ سے ایک بار دریافت کیا کہ مدرسہ کا تعلیمی معیار اتنا بلند کیوں تھا اور وہاں سے ہر ذرہ آفتاب بن کر کیوں نکلتا تھا، حضرت شیخ نے کئی اسباب کا ذکر کیا جن میں سب سے پہلے نصاب تعلیم کا تذکرہ تھا کہ ’’وہاں کا نصاب نہایت عمدہ تھا، ہر طرح کے افراط وتفریط سے حتی الامکان احتراز کیا گیا تھا، نہ کتب ادب کی فراوانی، نہ کتب منطق وفلسفہ کی بھرمار، بلکہ ہرفن کے لیے حسب ضرورت مفید کتابیں منتخب کی گئی تھیں، مدرسہ کا نصاب سترہ فنون: نحو، صرف، منطق، ادب، حدیث، فقہ، فرائض، اصول فقہ، مناظرہ، اصول حدیث، ہندسہ، عقائد، تفسیر، فلسفہ، عروض، بلاغت -؟ پر مشتمل تھا، حدیث کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی، دوسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک ہر درجہ میں حدیث کی ایک یا دو کتابیں شامل نصاب ہوتی تھیں، جماعت پنجم سے لے کر ہشتم تک کے طلبہ کو اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازمی ہوتا تھا‘‘۔(۱)

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی علیہ الرحمۃ ’’خصوصیات مدرسہ ہذا‘‘ کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

’’۱- نصاب تعلیم میں حتی الامکان افراط وتفریط سے احتراز کیا گیا ہے، نہ کتب ادب کی فراوانی ہے اور نہ ہی کتب منطق وفلسفہ کی بہت زیادہ بھرمار، بلکہ ہرفن کے لیے حسب ضرورت مفید کتب منتخب کی گئی ہیں، مدرسہ کا نصاب سترہ فنون: نحو، صرف، منطق، ادب، حدیث، فقہ، فرائض، اصول فقہ، مناظرہ، اصول حدیث، ہندسہ، عقائد، تفسیر، فلسفہ، عروض اور بلاغت پر مشتمل ہے۔

۲- ترجمہ قرآن کے ساتھ خاص اعتناء کیا گیا ہے، چنانچہ ابتدائی جماعتوں میں قرآن مجید کے مختلف پارے، ادب اور تربیتی حیثیت سے رکھے گئے ہیں تاکہ طلبہ میں شروع ہی سے قرآن مجید سے گہری دلچسپی اور اس پر عمل کرنے کا ذوق پیدا ہوجائے۔

(۱) ماہنامہ محدث بنارس، اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص: ۲۴۔

۳- ابتدائی جماعتوں میں طلبہ کو اردو مضمون نگاری کی مشق کرانے کے لیے انشاء کو لازمی قرار دیا گیا ہے، تیسری جماعت سے ترجمتین اور چوتھی سے آٹھویں تک جواب مضمون بزبان عربی ضروری قرار دیا گیا ہے، تاکہ طلبہ اردو جریدہ نگاری اور عربی مضمون نویسی اور زبان دانی میں کافی مہارت پیدا کرسکیں، اس سے اس خامی کو دور کرنا مقصود ہے جو آج کل ہمارے اکثر علماء میں موجود ہے۔

۴- نام چونکہ دارالحدیث رحمانیہ ہے، اس لیے حدیث کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے، دوسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک ہر ایک درجہ میں ایک یا دو کتب احادیث داخل کی گئی ہیں اور سند دینے کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ طالب علم حدیث میں معتد بہ کامیابی حاصل کرے۔

۵- طلبہ کی آسانی اور سہولت کے لیے ہر جماعت میں صرف چھ یا سات کتابیں رکھی گئی ہیں جن کا امتحان دینا ضروری ہے، ہاں اگر طالب علم اپنے اندر زیادہ استعداد رکھتا ہے تو کتب اختیاری کا امتحان بھی دے سکتا ہے جیسا کہ قواعد مدرسہ میں اس کی تشریح موجود ہے، جو طالب علم صرف حدیث کے شائقین ہیں ان کے لیے جماعت دورہ بھی رکھی گئی ہے جس کی تکمیل ایک سال میں کروادی جاتی ہے، یعنی جو طلبہ دوسرے مدارس سے فارغ ہوکر آتے ہیں ان کے لیے دورہ حدیث کا اہتمام کیا گیا ہے، میرے آخری تعلیمی سال میں حسب ذیل نامور طلبہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں میرے ہم سبق تھے:

۱- مولانا عبدالحکیم قصوری، برادر نسبتی مولانا حکیم عبداللہ مرحوم (جہانیاں والے) مولانا قصوری صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہوکر آئے تھے، عربی ادب کا بہت اچھا ذوق تھا۔

۲- مولانا ابوالنعمان انیس الرحمٰن صاحب بنگالی، فاضل درس نظامی دارالعلوم دیوبند۔

۳- مولانا عبدالواحد صاحب فاضل علوم اسلامیہ جامعہ دارالسلام عمرآباد‘‘۔ (۱)

مولانا عبدالغفار حسن نے اپنے اسی مضمون میں ایک جگہ اپنے ایک استاد مولانا محمد داود راغب شاہ جہاں پوری جو رحمانیہ ہی کے فارغ تھے ان کے بارے میں لکھا ہے:

’’......بہت ہی ذہین اور قابل طلبہ میں شمار ہوتے تھے، رحمانیہ سے فارغ ہوکر وہیں کے مدرس ہوگئے، تقریباً ایک سال انہوں نے پڑھایا، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے رحمانیہ کا پورا نصاب چار سال میں ختم کردیا، یعنی ہر سال دو کلاسوں کا امتحان دیا کرتے تھے......‘‘۔(۲)

(۱) الاعتصام لاہور، ۱۹/اگست ۱۹۹۴ء ص: ۱۴-۱۵۔

(۲) ایضاً، ۴/نومبر ۱۹۹۴ء ص: ۱۹۔

ادارہ کا مکمل نصاب مجھے دستیاب نہ ہوسکا، متفرق مقامات سے درسی کتابوں کے نام جمع کرنے کے بعد انہیں فنون پر ترتیب دیا تو درج ذیل فہرست بنی جو بہرحال پورے نصاب کی ترجمانی نہیں کررہی ہے:

دارالحدیث رحمانیہ کے نصاب میں شامل بعض کتابوں کے نام:

☆ تفسیر واصول تفسیر: ترجمہ قرآن، تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی، الفوزالکبیر

☆ حدیث: بلوغ المرام، مشکاۃ المصابیح، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابوداود، موطا مالک، بخاری، مسلم

☆ اصول حدیث: شرح نخبۃ الفکر

☆ عقائد: شرح عقائد نسفیہ، شرح مواقف

☆ فقہ: قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ اخیرین

☆ اصول فقہ: نورالانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت

☆ نحو: نحو میر، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی

☆ صرف: میزان منشعب، شافیہ، فصول اکبری

☆ ادب وانشاء: دیوان حماسہ، مقامات حریری، سبعہ معلقہ، دیوان متنبّی، انشاء، ترجمتین

☆ منطق: شرح تہذیب، قطبی، شمس بازغہ، شرح سلم حمداللہ، قاضی مبارک، شرح مطالع، میرزاہد

☆ فلسفہ: ہدایۃ الحکمۃ، شمس بازغہ، ہدیہ سعیدیہ، شرح اشارات، صدرا

☆ مناظرہ: رشیدیہ

☆ ہندسہ: محیط الدائرۃ

☆ تاریخ: مقدمہ ابن خلدون، تاریخ الخلفاء

☆ فرائض: سراجی

☆ عروض:

☆ بلاغت: تلخیص المفتاح، مختصرالمعانی

☆ ہیئت: تصریح، شرح چغمینی

کسی بھی تعلیمی ادارے کا نصاب اس ادارہ کے اہداف ومقاصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے، دارالحدیث رحمانیہ کے ذمہ داران کے سامنے کیا اہداف تھے اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالغفار حسن رحمانی لکھتے ہیں:

''معزز قارئین! اب آپ کو ایک گونہ مدرسہ کے قیام کے اغراض سے اجمالی واقفیت ہوگئی ہوگی، لیکن ایک مرتبہ پھر آپ کو واضح الفاظ میں وہ بتانا چاہتا ہوں، کیونکہ کسی چیز کا حسن وقبح، نفع ونقصان اس کے اغراض ہی سے ظاہر ہوا کرتا ہے، پس معلوم ہونا چاہئے کہ اس مدرسہ کا اولین مقصد یہ ہے کہ طالبان علم دین کو قلب کے سکون وراحت اور طالب علمانہ زندگی کی ضروریات کا بہترین طریقہ پر انتظام کرتے ہوئے قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی صحیح تعلیم اور محققانہ درس دیا جائے اور ان کو اعتقاداً اور عملاً تعلیمات نبویہ کا حقیقی پیرو بنا کر سنت اور اہل سنت کا سچا خادم بنایا جائے اور وہ علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ فنون عقلیہ پر بھی حاوی وقادر ہوں جیسے ہمارے اسلاف تھے، خود عامل حدیث بن کر دنیا کو عمل بالحدیث کی دعوت دیں''۔(۱)

دارالحدیث رحمانیہ کے ایک دوسرے معروف مدرس مولانا نذیر احمد رحمانی املوی لکھتے ہیں:

''ہمارے یہاں ترجمہ قرآن مجید ودیگر ہر قسم کی دینی وفنی کتابوں کے ساتھ ہر جماعت میں ایک گھنٹہ تحریر کی مشق کا بھی لازمی طور پر رکھا گیا ہے، چنانچہ اس پر باقاعدہ عمل ہورہا ہے، ادنی جماعت سے لے کر دوسری جماعت تک اردو زبان میں املا وانشاء کی مشق کرائی جاتی ہے، اور تیسری جماعت میں ترجمتین اور اردو زبان میں خاص عنوان کے ماتحت مضمون نگاری کرنی پڑتی ہے، پھر چوتھی جماعت سے لے کر آٹھویں تک ترجمتین (یعنی کبھی اردو عبارت کی عربی بنانا اور کبھی عرب عبارت کا اردو میں ترجمہ کرنا) اور اپنی اپنی جماعتوں سے متعلق عنوانات پر صرف عربی زبان میں مضامین لکھنے پڑتے ہیں، یہ چیز مدرسہ کے قواعد اور طلبہ کے فرائض میں داخل کردی گئی ہے کہ جماعت پنجم سے لے کر ہشتم تک کے طلبہ کو کم از کم اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازمی ہوگا''۔(۲)

واضح رہے کہ ذمہ داران ادارہ نے صرف نصاب کو جامع اور موثر ہی بنانے تک اپنی کوشش محدود نہ رکھی تھی بلکہ اس کی تنفیذ وتکمیل کو بھی یقینی بناتے تھے، مجلّہ اہل حدیث امرتسر کے ایک شمارے میں مدرسہ کے ششماہی امتحان کی خبر کے آخر میں کہا گیا ہے کہ:

''جماعت سابعہ وثامنہ کا امتحان ششماہی اس وجہ سے ملتوی کردیا گیا کہ ان کا ششماہی نصاب بموانع چند پورا نہ ہوسکا اور دو ہفتہ کی تعلیم کی کمی رہ گئی تھی، لہذا ان طلبہ کو کتابوں کے پورا کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ دو ہفتہ میں انہوں نے اپنی کتابیں پوری کرلیں، اب ان طلبہ کا امتحان سالانہ امتحان کے ساتھ ہوگا...''۔(۳)

☆☆☆

(۱) الاعتصام لاہور، ۱۹ر اگست ۱۹۹۴ء، ص:۱۴۔

(۲) ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر ص:۳۰۹-۳۱۰ بحوالہ: رسالہ محدث دہلی، جنوری ۱۹۴۰ء۔

(۳) اہل حدیث امرتسر: ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء، ص:۹۔

صدق وصفا-فیوض وبرکات

مولانا عبدالمتین مدنی

اسلام محاسن کا مجموعہ ہے، وہ ہر عمدہ اور اچھی بات کی تعلیم دیتا ہے، راست بازی اسلام کی اہم ترین تعلیمات میں سے ایک ہے، خود داعی اسلام ﷺ اس خوبی کے سراپا پیکر تھے اور اس کا اعتراف آپ کے مخالفین کو بھی تھا، وہ بھی آپ کو صادق وامین کہہ کر پکارتے تھے اور آپ کے بارے میں ان کی یہ شہادت ہے: "ما جربنا عليه الا صدقا" (بخاری:۴۷۷۰) ہم نے آپ کو صادق ہی پایا ہے۔

جب شاہ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان سے- جو اس وقت مشرف باسلام نہ تھے- آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا: "يأمر بالصلاة والصدق والعفاف والصلة" وہ ہمیں نماز، صدق، پاکدامنی اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں۔(بخاری:۷)

اللہ کے رسول ﷺ جب پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد گھبرائے ہوئے گھر لوٹتے ہیں تو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں: "والله لا يخزيك الله أبدا انك لتصل الرحم، وتصدق الحديث وتحمل الكل وتقرئ الضيف وتعين على نوائب الحق" اللہ کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوانہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے، مہمان نوازی کرتے اور حق کے معاملات میں آپ مدد فرماتے ہیں۔(بخاری:۳)

الغرض یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ صادق ومصدوق تھے اور اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی صداقت کی پیغمبری کے لیے آپ کو ہی منتخب فرمایا: ﴿والذي جاء بالصدق وصدق به أولئك هم المتقون﴾ (زمر:۳۳) اور وہ ذات جو صداقت لے کر آیا اور جس نے اس صداقت کی تصدیق کی وہ متقی لوگ ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کا دین اسلام کو صدق سے تعبیر کیا گیا اور جو شخص اس سچائی کا اعتراف صدق دلی سے کرے گا وہی اس کے فیض کا مستحق ہوگا: "ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله على النار" (بخاری:۱۲۸) جو شخص اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار دل کی سچائی کے ساتھ کرے گا اللہ اسے جہنم پر حرام کردے گا یعنی وہ جہنم سے محفوظ رہے گا۔

قرآن کریم میں اللہ نے صادقین کے لیے بڑے انعام واکرام کا وعدہ کیا ہے: ﴿هذا يوم ينفع الصادقين

صدقهم لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا رضي الله عنهم ورضوا عنه ذلك الفوز العظيم﴾ (مائدہ:۱۱۹)

اس دن سچوں کوان کی سچائی کام آئے گی،ان کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی،جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے،اللہ ان سے راضی ہوا،اوروہ اللہ سے راضی ہیں،یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ینفع الموحدین توحیدهم۔ صادقین سے مراد موحدین ہیں یعنی اہل توحید کوان کی توحید کام آئے گی اوروہ اس عظیم کامیابی سے سرفراز ہوں گے۔قرآن کریم میں اللہ نے اپنے بندوں کے نمایاں اوصاف میں سے ایک وصف صدق کوقرار دیا تھا، ﴿ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات والقانتين والقانتات والصادقين والصادقات .... أعد الله لهم مغفرة وأجرا عظيما﴾ (احزاب:۳۵)

بیشک مسلمان مرداور مسلمان عورتیں،مومن مرداور مومن عورتیں،فرماں برداری کرنے والے مرداور فرماں برداری کرنے والی عورتیں، سچے مرداور سچی عورتیں ....اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ نے سچے لوگوں کا ساتھ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے،سورہ توبہ میں اللہ تعالی نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ حضرت کعب بن مالک،حضرت براء بن ربیعہ اور حضرت ہلال بن امیہ کی توبہ کی قبولیت کاذکر فرمانے کے بعد فرمایا:

﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ (توبہ:۱۱۹)

اے اہل ایمان اللہ کا تقوی اختیار کرواور سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت کریمہ میں ایک اور پہلو قابل غور ہے،تقوی اور صدق دونوں کوایک ساتھ ذکر کرکے دونوں کواختیار کرنے کا حکم دیا گیااور سورہ زمر کی آیت کریمہ: ﴿والذي جاء بالصدق وصدق به أولئك هم المتقون﴾ (زمر:۳۳) میں صدق اختیار کرنے والوں کوہی متقی قرار دیا گیا۔ان دونوں آیتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے جوسچائی اختیار نہیں کرے گا وہ تقوی کی صفت سے محروم اوراس کا دل اللہ کے ڈر سے خالی ہوگا اور شاید اسی لیے ایک حدیث میں اس بات کا ذکر کیا گیا کہ مومن سے بشری تقاضہ کی بنا پر بعض گناہوں کا صدور تو ہوسکتا ہے مگر وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "عليكم بالصدق فان الصدق يهدي الى البر وان البر يهدي الى

الجنة" سچائی کولازم پکڑو،اس لیے کہ سچائی نیکی کا راستہ دکھلاتی ہے اور نیکی جنت کو لے جاتی ہے۔(مسلم:۲۶۰۷)ایک شخص اگر سچائی کو اختیار کرے گا اور اپنی زبان کو سچی رکھے گا تو اس کی سچائی اسے فواحش ومنکرات سے روکے گی اور اسے نیکی کے کاموں پر آمادہ کرے گی ،قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ...... ﴾ (احزاب:۷۰،۷۱) اے اہل ایمان اللہ کا تقوی اختیار کرو اور درست بات کہو، اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

لیکن یہ معلوم رہے کہ سعادت ونجات کے لیے صرف زبان کی سچائی ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی ضرورت ہے۔

ایک مسلمان توحید کے اقرار میں سچا ہو اور اس کے جملہ تقاضوں کو پورا کرے، یہ اولین مطلوب ہے،قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے: ﴿وما أمروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین﴾ (بینہ:۵)انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین اور بندگی کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

دوسری آیت کریمہ میں اللہ نے فرمایا: ﴿قل ان صلاتي ونسکي ومحیاي ومماتي للہ رب العالمین﴾ (انعام:۱۶۲) آپ فرمادیں کہ بیشک میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اس اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔اس لیے ایک مسلمان سب سے پہلے اپنے رب کے ساتھ سچا ہو، اس کی اطاعت اور بندگی اخلاص کے ساتھ بجالائے اور شرک اور اس کے شوائب سے اپنی عبادتوں کو بچائے۔

اللہ کے بعد جس ذات اقدس کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے اور جس کی اتباع ہماری نجات کا ذریعہ ہے، فداہ ابی وامی، اس ذات کے ساتھ بھی ہم سچے رہیں، اس کی رسالت وبندگی کے اقرار میں اور اس سے محبت واطاعت میں "طاعته فیما أمر وتصدیقه فیما أخبر واجتناب ما نهی عنه وزجر وان لا یعبد اللہ الا بما شرع" آپ کے جملہ اوامر کو بجالانا، آپ کی بتلائی ہوئی باتوں کو سچ جاننا، آپ نے جن کاموں سے منع فرمایا ان سے باز رہنا اور اللہ کی عبادت آپ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق کرنا، یہ آپ ﷺ کی رسالت کے اقرار میں سچے ہونے کا مطلب ہے،قرآن وحدیث کے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں، اب وہ مسلمان جو ایسی جامد تقلید کا شکار ہیں جو ان کو پیاری سنتوں محروم کررہی ہے یا بدعات وخرافات کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں یا جو لوگ حق جاننے کے باوجود عملی کوتاہی کا شکار ہیں، انہیں چاہئے کہ اس اقرار بالرسالہ کے تقاضوں کو پورا کرکے رسول اللہ ﷺ کے سچے امتی بنیں۔

اسی طرح مسلمان اپنے معاملات میں بھی سچائی اور راست بازی اختیار کرے، خواہ اس کا معاملہ کسی مسلمان کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ، اس لیے کہ معاملات میں خلاف صدق کوئی بھی کام کسی مسلمان کے شایان شان نہیں، جھوٹ کو منافق کی علامت قرار دیا گیا اور جھوٹ کی ان تمام شکلوں کو مسلمان کے لیے حرام قرار دیا گیا، جھوٹی گواہی، جھوٹا وعدہ، جھوٹی قسم، جھوٹی بات سب سے عام حالات میں منع کر دیا گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "یبعث التجار یوم القیامة فجارا الا من اتقی الله وصدق وبرّ" قیامت کے دن تاجر گنہ گار اٹھائے جائیں گے، سوائے اس تاجر کے جس نے اللہ کا تقوی اختیار کیا، راست بازی اختیار کی اور نیکی کا کام کیا۔ (ترمذی: ۱۲۱۰)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "فان صدقا وبینا بورك لهما فی بیعهما وان كذبا كتما محقت بركة بیعهما" (بخاری: ۱۹۷۳)

اگر خرید وفروخت کرنے والے اپنے لین دین میں سچ سے کام لیں اور حقیقت کو بیان کر دیں تو ان کے لین دین میں برکت دی جائے گی اور جھوٹ سے کام لیں اور حقیقت کو چھپائیں تو ان کے لین دین کی برکت مٹادی جائے گی۔

ان احادیث سے معاملات میں سچ بولنے اور ایمان داری برتنے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور کاروباری لحاظ سے بھی سچ بولنے اور صحیح معاملہ کرنے سے کاروبار میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے، سچ بولنے والے پر اعتماد اور بھروسہ لیا جاتا ہے، اور اعتماد کاروبار میں ترقی کا زینہ ہے۔

الغرض سچ ایک محمود وصف عند اللہ وعند الناس ہے اور اس کے دینی ودنیاوی فوائد مسلم ہیں۔

☆☆☆

سنن ابن ماجہ کی شروح میں ایک اور اضافہ

عبدالرشید عراقی

سنن ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔اس کتاب کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل ہے اور محدثین کرام نے اس کو سب سے آخری درجہ میں رکھا ہے۔یہ کتاب دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

اس کتاب کو بھی فقہی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے،اس میں ۳۲ کتب اور ایک ہزار پانچ سو ابواب اور چار ہزار احادیث ہیں۔(۲۸)

سنن ابن ماجہ جن خصوصیات کی حامل ہے،اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) اس میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں،جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں خالی ہیں،علمائے فن نے اس کی اسی خصوصیت کی بنا پر اس کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔(۲۹)

(۲) حسن ترتیب وتبویب کے لحاظ سے تمام کتب حدیث اور صحاح میں اس کو امتیاز حاصل ہے،یعنی جس خوبی کے ساتھ احادیث کو ابواب کے اندر بلاتکرار اختصار کے ساتھ اس میں نقل کیا گیا ہے،دوسری کتابیں اس سے خالی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۹۵ھ) فرماتے ہیں:

از حسن ترتیب وسرد احادیث بے تکرار واختصار آنچہ ایں کتاب دارد، ہیچ از کتب ندارد.(۳۰)

فی الحقیقت احادیث کو بلاتکرار بیان کرنے اور حسن ترتیب واختصار کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کی ہمسر نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

وکتابه فی السنن جامع جیدا. (۳۱)

ان کی کتاب سنن (احکام) میں ایک عمدہ جامع ہے۔

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

یہ کتاب نہایت مفید ہے اور مسائل کے لحاظ سے اس کی ترتیب تبویب ہے۔(۳۲)

البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں:

(۲۸) بستان المحدثین:ص ۱۹۶ (۲۹) البدایة والنهایة: ۵۲/۱۱ (۳۰) بستان المحدثین:ص ۱۹۶
(۳۱) تہذیب التہذیب: ۳/۹ (۳۲) الباعث الحثیث:ص ۹۰

وهي دالة على علمه وعمله وتبحره واطلاعه واتباعه السنة في الأصول والفروع. (۳۳)
یہ کتاب امام ابن ماجہ کے علم وعمل، تبحر، اطلاع، اور اصول وفروع میں ان کے اتباع سنت کو بتاتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م۱۲۹۵ھ) نے بستان المحدثین میں امام ابن ماجہ کا یہ قول نقل رکھا ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

میں جب سنن کی تالیف سے فارغ ہوا، تو اس کو امام ابوزرعہ رازی کے سامنے پیش کیا تو اس کتاب کو دیکھ کر فرمانے لگے:
أظن ان وقع هذا في أيدي الناس تعطلت هذه الجوامع وأكثرها. (۳۴)
اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی، تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

سنن ابن ماجہ میں کچھ ضعیف اور منکر روایتیں بھی ہیں، مگر علمائے فن نے اس کی تعداد بہت کم بتائی ہے۔ حافظ ابن کثیر (م۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ

سنن ابن ماجہ کی تھوڑی حدیثوں کے سوا سب بہتر اور عمدہ ہیں۔ (۳۵)

حافظ ذہبی (م۷۴۸ھ) اور حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) نے بھی تصریح کی ہے کہ:

سنن ابن ماجہ میں ضعیف اور منکر روایتیں ہیں۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سنن ابن ماجہ ایک بہترین اور عمدہ کتاب ہے، علمائے فن نے اس کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے۔

شروح، تعلیقات، حواشی

علمائے فن نے سنن ابن ماجہ کے ساتھ بڑا اعتناء کیا ہے، اس کے متعدد حواشی، تعلیقات اور شروح لکھی ہیں۔ ذیل میں ان اکابرین فن کی ایک فہرست نقل کی جاتی ہے، جنہوں نے خاص اس کتاب کی خدمت کی ہے:

(۱)	شرح سنن ابن ماجہ	حافظ علاء الدین............(م۷۶۲ھ)
(۲)	شرح سنن ابن ماجہ	علامہ ابن رجب حنبلی (م۷۹۵ھ)
(۳)	ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ	علامہ عمر بن علی بن الملقن (م۸۰۴ھ)
(۴)	الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ	شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری (م۸۰۸ھ)
(۵)	شرح سنن ابن ماجہ	حافظ برہان الدین ابراہیم بن محمد المعروف ابن العجمی (م۸۴۱ھ)
(۶)	مصباح الزجاجہ، شرح سنن ابن ماجہ	حافظ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ)
(۷)	شرح سنن ابن ماجہ	علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی (م۱۱۳۸ھ)

(۳۳) البدایۃ والنہایۃ: ۵۲/۱۱ (۳۴) بستان المحدثین: ص۱۹۹ (۳۵) البدایۃ والنہایۃ: ۵۲/۱۱

(۸) انجاح الحاجۃ بشرح سنن ابن ماجہ — علامہ شیخ عبدالغنی حیدری (م ۱۲۹۵ھ)
(۹) حاشیہ بر سنن ابن ماجہ — مولانا فخر الحسن گنگوہی (م ۱۳۱۵ھ)
(۱۰) خمیعۃ الزجاجہ فی شرح سنن ابن ماجہ — پیر سید احسان اللہ شاہ راشدی (م ۱۳۵۸ھ)
(۱۱) شرح سنن ابن ماجہ — مولانا محمد بن یوسف سورتی (م ۱۳۶۱ھ)
(۱۲) مفتاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ — علامہ شیخ محمد علوی (م ۱۳۶۶ھ)
(۱۳) شرح سنن ابن ماجہ — مولانا عبدالصمد حسین آبادی (م ۱۳۶۷ھ)
(۱۴) شرح سنن ابن ماجہ — مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (م ۱۳۸۱ھ) (۳۶)

تراجم

سنن ابن ماجہ کے اردو میں جو تراجم اور شروح ہوئی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجہ — مولانا وحید الزماں حیدرآبادی (م ۱۳۳۸ھ)
(۲) رفع الحاجۃ ترجمہ سنن ابن ماجہ — مولانا عبدالسلام بستوی (م ۱۳۹۴ھ)
(۳) شرح سنن ابن ماجہ — مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی/حفظہ اللہ

انجاز الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ

یہ سنن ابن ماجہ کی بڑی عمدہ شرح ہے اور ۱۲ جلدوں میں مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے، اس شرح کا تعارف کرانے سے پہلے ضروری ہے کہ شارح حضرت مولانا محمد علی جانباز/حفظہ اللہ کا مختصر تعارف کرایا جائے۔

مولانا محمد علی جانباز

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز اپنے وقت کے بہت بڑے مورخ، محقق، عظیم المرتبت، محدث، فقید المثال عالم وفقیہ، اصولی، متکلم، زیرک مقرر، ادیب، دانشور، مصنف اور علم وادب کے مختلف گوشوں پر وسیع اور ناقدانہ نظر رکھتے ہیں۔ حدیث، فقہ الحدیث اور اسماء الرجال پر ان کی وسیع معلومات ہیں۔ فقہ المذاہب الاربعہ اور فقہ جعفریہ پر بھی ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ ان کا سن ولادت ۱۹۲۴ھ۔ جائے ولادت پنجاب، ہند کے ضلع فیروز پور کا قصبہ ''جک بدھو'' ہے۔ والد محترم کا نام حاجی نظام الدین ہے۔

آپ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل مدرسہ تعلیم الاسلام اور ڈانوالہ (ضلع فیصل آباد) جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں کی، آپ نے جن اساتذہ کرام سے علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد صادق خلیل فیصل آباد (م ۲۰۰۴ء)
(۲) مولانا پیر محمد یعقوب قریشی (م ۲۰۰۳ء)

(۳۶) امام ابن ماجہ اور علم حدیث: ص ۲۴۵، ۲۴۶

(۳) مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی (م ۱۹۹۱ء)

(۴) مولانا شریف اللہ خاں سورتی (م ۱۹۷۷ء)

(۵) مولانا پروفیسر غلام احمد حریری (م ۱۹۹۰ء)

(٦) حضرت العلام محدث العصر حافظ محمد گوندلوی (م ۱۹۸۵ء)

مولانا جانباز حفظہ اللہ تقریباً ۳۰/سال سے جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ (اب جامعہ رحمانیہ) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی ۲۵/کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کی یہ کتابیں آپ کے وسعت مطالعہ، علمی تبحر اور ذوق مطالعہ کی آئینہ دار ہیں۔ تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) اہمیت نماز	(۲) صلوۃ مصطفی ﷺ
(۳) معراج مصطفی ﷺ	(۴) آل مصطفی ﷺ
(۵) احکام سفر	(٦) حرمت متعہ
(۷) عورت کا سیاست میں حصہ لینے کی شرعی حیثیت	(۸) نفقعۃ العمر فی تحقیق مسائل عید الفطر
(۹) احکام دعا و توسل	(۱۰) ارکان اسلام
(۱۱) توہین رسالت کی شرعی سزا	(۱۲) تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ
(۱۳) دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا حکم	(۱۴) صفات المومنین
(۱۵) احکام نکاح	(۱٦) احکام طلاق
(۱۷) احکام عدت	(۱۸) حرمت متعہ بجواب حلت متعہ
(۱۹) اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت	(۲۰) احکام وقف و ہبہ
(۲۱) رزق حلال اور رشوت	(۲۲) احکام قسم و نذر
(۲۳) مشورہ اور استخارہ کی شرعی حیثیت	(۲۴) اسلام میں ووٹ کی شرعی حیثیت
(۲۵) تحریک پاکستان اور موجودہ حکمراں	

اخلاق و عادات کے اعتبار سے مولانا جانباز حفظہ اللہ نہایت پاکیزہ انسان ہیں، عزت، شرافت، قناعت اور وجاہت ان کی سیرت کا جوہر خاص ہے، زہد و ورع، تقوی و طہارت اور شمائل اخلاق میں سلف صالحین اور علمائے ربانیین کے اوصاف کے حامل ہیں، ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ:

آپ بہت زیادہ متبع سنت اور سنت رسول اللہ ﷺ سے شغف رکھتے ہیں۔

حق گوئی بھی ان کا جوہر خاص ہے، اور اس وصف میں بہت اعلی و ارفع ہیں، مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ ہیں، میں نے علماء میں اتنا بڑا مہمان نواز نہیں دیکھا، راقم کے تقریباً ۳۰ سال سے تعلقات ہیں، ان کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ

میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک باطن، ایسا دور اندیش، ایسا خوش اخلاق، شریں گفتار، باغ وبہار آدمی نہیں دیکھا، ایسا متقی و پرہیزگار، ایسا مہمان نواز اور ہمدرد اور ساتھ ہی وسیع المشرب اور وسیع الاخلاق مذہبی اور سخت مذہب۔

مولانا جانباز قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے ہیں:

روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا ہے، ذہن و ذکاوت کے ساتھ غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے سرفراز ہیں، ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم ہے، علمی و دینی مسائل کی تحقیق میں ان کو ید طولیٰ حاصل ہے، تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے ہیں عربی ادب کا عمدہ اور ستھرا ذوق رکھتے ہیں، عربی کے ماہرانہ انشاء پرداز ہیں، ان کی تحریر میں سلامت اور روانی ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ)، حافظ ابن قیم (م ۷۵۱ھ)، حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ)، امام محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) اور مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) کی تصانیف کے شیدائی ہیں۔

علمائے اہلحدیث میں مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ) مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ)، شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ)، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ)، مولانا سید محمد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳ء)، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۹۶۸ء) اور شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (م ۱۴۰۸ھ) سے بہت زیادہ متاثر ہیں، اور ان علمائے کرام کی دینی و علمی اور قومی و ملی خدمات کے بہت زیادہ معترف ہیں۔

مولانا جانباز اپنے اساتذہ میں مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی (م ۱۹۹۱ء) اور حضرت العلام شیخ العرب والعجم، محدث کبیر، الامام الحافظ محمد گوندلوی (م ۱۹۸۵ء) کے علم و فضل کے بہت زیادہ معترف ہیں، اور جب کبھی ان کا ذکر چھڑ جائے تو بڑے والہانہ انداز میں ان کی خوبیاں بیان کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ:

میں نے ان جیسا ٹھوس عالم، مشرق و مغرب میں نہیں پایا، آپ ایک بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد، متکلم، مقلم، جامع معقول و منقول، ادیب، نقاد، دانشور، مصنف، مناظر، مدرس اور جید عالم دین نہیں دیکھا۔

مجھے ان سے بڑی عقیدت اور محبت ہے، میرے لئے اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت یہی ہے کہ وہ میرے شفیق استاذ تھے۔

مولانا ابولبرکات احمد مدراسی (م ۱۹۹۱ء) کے بارے میں مولانا جانباز فرمایا کرتے ہیں کہ:

علم و فضل کے لحاظ سے آپ جامع الکمالات تھے، تمام علوم اسلامیہ پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی، حدیث اور متعلقات حدیث پر ان کی نظر وسیع تھی، فتویٰ نویسی میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، بڑے نیک سیرت اور شریف الطبع انسان تھے، اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے۔

مولانا جانباز حفظہ اللہ میں ایک خوبی سب سے بڑی یہ ہے کہ علم اور تقوی جن حضرات میں انہیں نظر آتا ہے، بڑی فیاضی سے اس کا اعتراف کرتے ہیں، دور حاضر کے علماء میں مولانا ارشاد الحق حفظہ اللہ، حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ، ڈاکٹر فضل الٰہی برادر علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، اور مولانا فاروق الراشدی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کی علمی و دینی خدمات کے بہت زیادہ معترف ہیں۔ ☆☆ (جاری)

مذاہب وادیان

ہندومت

(قسط:۵)

مولانا محمد مستقیم سلفی

نکاح:

ہندوؤں میں بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں، ان میں سے تین فرقے بہت مشہور ہیں: (۱) ویشنو (۲) شاکیہ (۳) آریہ۔اور سب کے یہاں نکاح کے طریقے مختلف ہیں، ان میں سے صرف آریہ سماج کے نکاح کا طریقہ پر اکتفا کیا جارہا ہے، اس فرقہ میں نکاح تین طریقہ سے ہوتے ہیں: (۱) لڑکی کے ولی جیسے باپ وغیرہ اس لڑکی کا شوہر تلاش کرے پھر سنکلپ کرکے اس مرد کو دے دے۔(۲) شادی ونکاح بذریعہ غصب ہو اس طور پر کہ صاحب اقتدار کسی لڑکی کو زبردستی چھین لے اور اس کے باپ کی رضامندی کے بغیر اس سے شادی کرلے۔(۳) کوئی ولی اپنی لڑکی کو کسی صاحب اقتدار وغیرہ کو ہبہ کردے۔(۱)

طریقۂ نکاح:

نکاح کرنے کے لیے دولہن کے آبائی گھر میں نکاح کی مجلس منعقد کی جاتی ہے جہاں لڑکی کا ہونے والا شوہر اپنے دوستوں اور اقرباء کے ساتھ حاضر ہوتا ہے، اور گھر کے ایک صاف ستھرے حصہ میں آگ روشن کی جاتی ہے اور اس آگ پر گائے کا خالص گھی ڈالا جاتا ہے اور دولہا و دولہن کا دامن ایک دوسرے میں باندھ دیا جاتا ہے، پھر اس آگ کے اردگرد دونوں سات چکر لگاتے ہیں اور پنڈت جی وید کے کچھ جملے پڑھتے ہیں، اس طرح نکاح کی رسم مکمل ہوجاتی ہے۔(۲)

تعدد ازدواج:

ہندومذہب میں بھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز ہے، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کے مہاپرشوں نے اپنے اپنے نکاح میں کئی کئی بیویاں رکھے ہوئے تھے، ارجن جی کی کئی بیویاں تھیں، ان میں سے ایک کا نام ''درپتی'' دوسری کا نام ''سوبھادرا''، تیسری کا نام ''چترا'' تھا اور کرشن جی کے پاس بہت سی بیویاں تھیں، مگر وید کے اندر مردوں کو ایک ہی بیوی رکھنے پر زور دیا گیا ہے، اور ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ ذات پات کے اعتبار سے بیویوں میں کمی وبیشی کی جاسکتی ہے، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

" وفي رواية أخرى: يجوز للبرهمي أربع زوجات، وللكشترى ثلاث زوجات وللويش زوجتان وللشودر زوجة واحدة" (۳) یعنی برہمن کے لیے چار، چھتری کے لیے تین اور ویش کے لیے دو بیویوں

---

(۱) دراسات فی الہندوسیۃ ص۵۹۱ بحوالہ رگ وید۔ (۲) دراسات فی الہندوسیۃ ص۵۹۱۔

(۳) دراسات فی الہندوسیۃ ص۵۹۲۔

سے شادی کرنا جائز ہے لیکن شودر صرف ایک عورت سے شادی کرسکتا ہے۔

نکاح بیوگان:

وید میں بیوہ عورتوں کے نکاح کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے، البتہ ان کو ترغیب دلائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ ستی ہوجائیں، اور ستی ہوجانا ہندو مذہب میں بہت بڑا کار ثواب سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہندو عورتیں اپنے مرحوم شوہر کی لاش کے ساتھ بن سنور کر جاتی تھیں اور جب لوگ لاش کو جلانے لگتے تو یہ عورتیں بھی اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل کر جان دے دیتی تھیں۔ (اسی کا نام ستی ہے)

ہندوؤں کے یہاں ستی ہونے کی یہ رسم پہلے پورے ہندوستان میں رائج تھی، لیکن اب یہ رسم ختم ہوچکی ہے، تاریخ کی کتابوں میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ۱۸۱۱ء میں ''راجا رام موہن'' (جو برہمنوں کے ایک بہت بڑے عالم اور مفکر تھے) کے بڑے بھائی کا انتقال ہوا تو ان کی ارتھی کے ساتھ ان کی بیوی بھی بن سنور کر ستی ہونے کے لیے نکلیں اور اپنے شوہر کے ساتھ جل کر جان دے دی، اس دردناک حادثہ کو دیکھ کر ''راجا رام موہن'' بہت متاثر ہوئے اور حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ اس ستی ہونے کی رسم کو قانونی حیثیت سے ہندوستان سے ختم کیا جائے، چنانچہ ان کی درخواست پر حکومت برطانیہ نے ۱۸۲۹ء میں قانونی حیثیت سے اس فعل کو جرم قرار دیا، جس کی وجہ سے ستی کی یہ رسم ہندوستان سے ختم ہوگئی، لیکن بیوہ عورتوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا، اس لیے کہ بیوہ عورتوں کا دوبارہ شادی کرنا ہندو مذہب میں جرم عظیم ہے، یہاں تک کہ وہ لڑکی جس کا شوہر ہم بستری سے پہلے مرگیا ہو اس پر بھی دوسری شادی کرنا مذہبی اعتبار سے حرام ہے، خاص طور پر برہمن، چھتری اور ویش کی لڑکیاں، لیکن مرد کے لیے جائز ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کرلے۔ (۱)

نیوگ:

دنیا کے ہر مذہب میں مرد و عورت کے باہمی جنسی تعلقات کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے، اور تمام مذاہب میں اس کے احکام بیان کئے گئے ہیں، ہندو مذہب میں بیوہ عورتوں (جن کے لیے دوسری شادی کرنا مذہبی اعتبار سے جرم ہے) کے جنسی تعلقات و جذبات کی تسکین اور حصول اولاد کے لیے ایک نیا طریقہ بتایا گیا ہے جسے نیوگ کہتے ہیں، جس کی مختصر تفسیر یہ ہے کہ بیوہ عورت دوسری شادی نہ کرے، البتہ اپنی جنسی خواہشات کو تسکین دینے اور اولاد پیدا کرنے کے لیے اپنی ذات و برادری یا اپنے سے اوپر ذات برادری والے کسی بھی مرد سے ہم بستری کرسکتی ہے، سوامی دیانند کے قول کے مطابق نیوگ کے ذریعہ بیوہ عورت دس دس بچے پیدا کرسکتی ہے، سوامی جی اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں لکھتے ہیں کہ:

इमां त्वमिन्द्र मीढ्वः सुपुत्रां सुभगां कृणु ।
दशास्यां पुत्रानाधेहि पति मेकादशं कृधि ।।

(۱) دراسات فی الہندوسیۃ۔

یعنی اے ویریہ کے سینچنے کے قابل با اقبال آدمی تو اس از دواج شدہ عورت یا بیوہ عورتوں کو اچھے لڑکوں والی اور خوش نصیب کر، اس شادی شدہ عورت سے دس لڑکے پیدا کر اور گیارہویں عورت کو مان، اے عورت تو ہمیں شادی شدہ مرد یا نیوگ شدہ مردوں سے دس بچے پیدا کر اور گیارہویں خاوند کو سمجھ۔(۱)

سوامی جی دوسری جگہ نیوگ کس سے کی جائے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں منو جی نے لکھا ہے کہ:

देवराद्वा सपिण्डाद्वा स्रिया सम्यङ नियुन्कया ।
प्रजेस्निता धिगन्तव्या सन्तानस्य परिक्षये
ज्येष्ठो यनीयसो भाच्यों ययोयान्याग्रजस्त्रियम ।
पतितौ भयतो गत्वा निपुक्तनित्यनावदि ।।
श्रोरसः क्षेत्रजश्चैव । (۲)

یعنی بیوہ عورت کا نیوگ ایسے شخص سے ہونا چاہئے جو خاوند کی چھ پشتوں تک خاوند کا بڑا یا چھوٹا بھائی، یا اپنی ذات کا اور اپنے سے اعلیٰ ذات کا ہو، لیکن اگر وہ رنڈوا مرد اور بیوہ عورت اولاد پیدا کرنے کی خواہش کرتے ہوں تو نیوگ ہونا مناسب ہے، اور جب اولاد بار بار ضائع ہو، تب نیوگ ہو، اور وقت مصیبت میں اور اولاد کی خواہش نہ ہونے پر بڑے بھائی کی عورت سے چھوٹے کا اور چھوٹے کی عورت سے بڑے بھائی کا نیوگ ہو۔(۳)

پردہ:

ہندو مذہب میں پردہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہے، شادی و بیاہ میں اور اپنے معبودوں کی پوجا کرتے وقت مرد و عورت کا اختلاط ضروری ہے، اس طرح ان عورتوں کا اپنے معبودوں کو راضی کرنے کے لیے ان کے مجسمہ کے سامنے ناچنا گانا جائز ہے۔(۴)

حالت حیض میں ہم بستری سے اجتناب:

جس طرح سے اسلام کا قانون ہے کہ مرد حالت حیض میں اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرے بالکل اسی طرح ہندو دھرم میں ہے کہ جب تک عورت حالت حیض میں ہے مرد اس کے قریب نہ جائے۔(۴)

(جاری)

☆☆☆

(۱) ستیارتھ پرکاش باب۴، ص۱۴۸۔ (۲) ستیارتھ پرکاش پ۴، ص۱۵۳۔
(۳) دراسات فی الہندوسیۃ ص۵۹۴۔ (۴) دراسات فی الہندوسیۃ ص۵۹۴۔

خوشحال ازدواجی زندگی کے چند اہم اسباب

حافظ عبدالرحمٰن سلفی

دین اسلام نکاح کو مرد وعورت کے لیے محض اس لیے مشروع نہیں قرار دیتا کہ وہ ایک ظاہری تعلق اور ربط تک ہی محدود رہے بلکہ اسلام میں نکاح ایک ایسے مضبوط ربط وتعلق کا نام ہے جس کی بنیاد ایک خاندان دوافراد (مرد وزن) کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے۔

نکاح ایک ایسا عظیم رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے کے بعد میاں بیوی ایک پاکیزہ اور خوشگوار زندگی گذار سکتے ہیں۔

اسی وجہ سے مذہب اسلام نے اس بات کی تاکید کی ہے کہ اس رشتہ کی اساس باہمی الفت ومحبت پر قائم ہو۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿ومن آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة، إن في ذلك لآيات لقوم يتفكرون﴾ (الروم:۲۱)

ترجمہ: اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی، یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ فرائض سے غفلت اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے کوتاہی، خوشگوار ازدواجی زندگی میں تلخی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے، بلکہ بسا اوقات یہی تلخی اس پاکیزہ رشتہ کو منہدم کرنے کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

لہذا اسلام نے ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ایسے اصول عطا کئے ہیں کہ ان پر عمل کرکے انسانی معاشرہ کو جنت نشاں بنایا جاسکتا ہے۔

آیئے! درج ذیل نکات کی روشنی میں خوشحال ازدواجی زندگی کے چند اہم اسباب ومحرکات پر غور کریں:

(۱) شادی کرنے کے لیے مرد وعورت کی باہمی رضامندی:

اس امر کی رعایت کتنی ضروری ہے، حدیثوں میں اس کی طرف واضح اشارہ ہے، ارشاد نبوی ہے: "لا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا يا رسول الله ! فكيف إذنها ؟ قال أن تسكت" (متفق علیہ) باکرہ (کنواری) عورت کی شادی اس کی اجازت حاصل کئے بغیر نہیں کی جاسکتی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اس کی کیسے اجازت حاصل کی جائے، آپ نے فرمایا: اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔

نیز صحیح ابوداود میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے کہا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں تمہاری شادی فلاں عورت سے کرادوں، اس نے کہا ہاں، پھر آپ نے عورت سے کہا: کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہاری شادی فلاں مرد سے کرادوں؟ تو اس نے کہا: ہاں، لہذا آپ ﷺ نے ان کی شادی کرادی۔ (صحیح ابوداود)

ہاں اگر یہ بھی ممکن ہو کہ منگیتر کو ایک نظر دیکھ لیا جائے تو یہ بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس کی ترغیب دلائی ہے اور حکم بھی دیا ہے، وجہ یہ ہے کہ لڑکا و لڑکی کا ایک دوسرے کو پیغام نکاح کے وقت دیکھ لینا باہمی الفت ومحبت ورضامندی کا ذریعہ بنتا ہے۔

چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجا تو نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فانظر اليها فإنه أحرى أن يؤدى بينكما" (صحیح ابن ماجہ) اسے دیکھ لوتو اس طرح زیادہ توقع ہے کہ تم میں الفت پیدا ہو جائے۔

اہل علم کے صحیح قول کے مطابق باکرہ بالغہ عورت سے اس کی شادی کی رضامندی اور اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، خواہ اسکی شادی کرنے والا اس کا والد ہی کیوں نہ ہو۔ (مجموع الفتاوی ۳۲/۴۳۹)

یہاں یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ عورت کو اپنے موافق ومناسب شوہر کے انتخاب میں اسلام نے اسے جو اختیار کا حق دیا اس کا یہ مطلب قطعی نہیں کہ جس سے چاہے وہ شادی کرسکتی ہے، خواہ اس کی وجہ سے اس کے اعزاء واقرباء اور اہل خاندان کی عزت وآبرو پر کسی قسم کی آنچ ہی کیوں نہ آئے، بلکہ اسے ایک ایسے ولی سے مربوط کیا گیا ہے جس کی زیرنگرانی وہ رہ کر اپنے شوہر کا انتخاب کرے گی، عورت کو از خود شادی کرنے یا عقد نکاح کا حق نہیں حاصل ہے، کیونکہ سنن میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: "أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل" (صحیح ابوداود)

جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے، آپ ﷺ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔

(۲) دینداری (شریعت اسلامیہ کا حسن التزام)

رسول اللہ ﷺ نے مرد وعورت کی باہمی رضامندی کے ساتھ اس چیز کو بھی اہم قرار کر دیا کہ اس رشتہ میں طرفین کی دینداری کو ترجیح دی جائے، چنانچہ لڑکی کے انتخاب کے لیے جو معیار آپ ﷺ نے مقرر کیا وہ یہ ہے: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها، ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك" (متفق علیہ)

اسی طرح لڑکوں کے سرپرست والدین کو نبی ﷺ نے بایں الفاظ تاکید کی کہ "إذا أتاكم من ترضون خلقه ودينه فزوجوه، الا تفعلوا تكن فتنة فى الأرض وفساد عريض" (صحیح الترغیب والترھیب للالبانی) ہاں اگر عورت دیندار ہونے کے ساتھ محبت کرنے والی، بچے جننے والی، کنواری، خوبصورت، حسب ونسب والی مالدار ہو تو بہتر ہے، ورنہ دیندار خاتون ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ دیندار عورت اگر مالدار صاحب حسب ونسب اور حسن وجمال والی بھی ہو۔ تو دین کی برکت سے اس کی ان تینوں خوبیوں پر چار چاند لگ جائیں گے، کیونکہ دین کی وجہ سے مال بھی محفوظ رہے گا، حسب ونسب کا غرور بھی ٹوٹے گا اور حسن وجمال کا تکبر بھی ختم ہوگا۔

جب ہم ازدواجی زندگی کے استقرار بلکہ پوری زندگی میں سعادت وخوشی کے لیے شریعت کے حسن التزام کی بات کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دینداری شریعت کے تمام جوانب کو شامل ہو، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة" اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (البقرۃ: ۲۰۸) اور اسی ضمن میں باہمی تعامل بھی ہے، بلکہ پورا دین ہی معاملہ وتعلقات کا نام ہے، چنانچہ صلہ رحمی اور لوگوں کے حقوق وواجبات کی ادائیگی وغیرہ دین متین کا حصہ ہیں۔

اسی طرح دینداری میں توازن اور میانہ روی بھی ہونی چاہئے، یہ انتہائی ناسمجھی کی بات ہے کہ ازدواجی حقوق وواجبات میں کوتاہی اور سستی کرکے انسان نفلی عبادات اور دین کی دعوت وتبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر

بیوی کے لیے نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔

(۳) معاہدے کی پابندی:

نکاح حقیقت میں ایک مضبوط پیمان وفا ہے جو اللہ کے نام کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جس پر بھروسہ کرکے ہی ایک عورت اپنے آپ کو مرد کے حوالہ کرتی ہے، اگر وہ دونوں اس پیمان کے پاسدار رہے تو وہ اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنا سکتے ہیں، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿وكيف تأخذونه وقد أفضى بعضكم إلى بعض وأخذن منكم ميثاقا غليظا﴾ (النساء:۲۱)

اور آخر تم اس سے (حق مہر) کیسے واپس لے لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان کر رکھا ہے۔

مضبوط عہد و پیمان سے کیا مراد ہے؟ امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عہد ہے جو نکاح کے وقت مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم اسے اچھے طریقے سے آباد کرنا یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔ (جامع البیان ج۴ ص۳۱۶)

اور رسول اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: "فاتقوا الله فى النساء، فانكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله" (صحیح مسلم)

اے لوگو تم عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ ان کو تم نے اللہ پاک کی امان سے لیا ہے، اور تم نے ان کے ستر کو اللہ تعالی کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرنا ضروری ہے، نیز آپ ﷺ نے مردوں کو ان کی حق تلفی سے بہت ڈرایا ہے اور فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح رہتا ہے۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں ''کلمۃ اللہ'' کا لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کی بناء پر انہوں نے اپنی بیویوں کو اپنے لئے حلال کیا، اس سے مراد اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

(۱) فإمساك بمعروف أو تسريح باحسان۔

یعنی انہیں اچھے طریقے سے اپنے پاس رکھو یا احسان کے ساتھ انہیں چھوڑ دو۔

(۲) یا اس سے مراد کلمۂ توحید ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ہے، کیونکہ مسلمان عورت غیر مسلم مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۳) یا اس سے اللہ تعالی یہ حکم مقصود ہے: "فانكحوا ما طاب لكم من النساء" یعنی جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو۔ گویا اس حکم خدائے تعالی سے ان کی فروج تم پر حلال ہوئیں، تو اس کا خیال رکھو کہ انہیں تکلیف نہ دو اور حقوق تلف نہ کرو۔

(۴) یا اس کلمہ سے مراد ''ایجاب وقبول'' ہے اور یہ کلمہ اللہ ہی نے بتایا ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج۸ ص۱۸۳)

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مرد و عورت کا نکاح ان کے درمیان ایک معاہدے کا نام ہے، جس میں مرد اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے حسن سلوک کرے گا اور بیوی اس بات کا عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کی فرماں برداری کرے گی، اس کے گھر، مال و اولاد اور اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرے گی، اگر وہ دونوں اس پیمان کی پاسداری کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی ازدواجی زندگی کامیابی سے بسر نہ ہو۔ (زاد الخطیب از حافظ محمد اسحاق زاہد ج۲ ص۱۱۶)

(۴) نکاح کے وقت طے کردہ شرائط کا پورا کرنا:

میاں اور بیوی کے درمیان بوقت نکاح جو جائز شرائط طے پائیں، دونوں پر ضروری ہے کہ وہ انہیں پورا کریں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "إن أحق الشروط أن يوفى به ما استحللتم به الفروج" (صحیح مسلم) سب شرطوں میں سب سے زیادہ پوری کرنے کی مستحق وہ شرطیں ہیں جن سے تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو (یعنی نکاح کی شرطیں)

علماء کے نزدیک اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جو منافی نکاح نہ ہوں، بلکہ مقاصد نکاح میں سے ہوں جیسے مرد کا عورت کے ساتھ زن وشوئی کا رشتہ قائم رکھنا یا دستور کے موافق نان ونفقہ دینا اور عورت کے لیے خاوند کی اطاعت اور خدمت کرنا نیز اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنا وغیرہ۔

اور اگر وہ شرائط منافی نکاح میں سے ہوں جیسے بیوی یا اس کے سرپرست کی جانب سے یہ شرط لگائی جائے کہ خاوند دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے گا تو یہ اور اس جیسی دیگر شرائط جو احکام شرعیہ کے خلاف ہوں وہ سب کی سب باطل اور ناقابل اعتبار ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل" (مسند احمد وصححہ الالبانی فی صحیح ابن ماجہ) ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے۔

معلوم ہوا ناجائز شرائط کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، ہاں اگر بوقت نکاح طے کردہ شرائط جائز ہوں تو میاں بیوی دونوں کے لیے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۵) باہمی الفت ومحبت

میاں بیوی دونوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار ومحبت، کھیل اور ہنسی مذاق کی فضا بنانے کی کوشش کریں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے ان کی زندگی کا شیرازہ قائم رہے گا اور اس کی جڑ مضبوط رہے گی، رسول اکرم ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ اسی اصول پر عمل پیرا رہتے تھے۔

اللہ رب العالمین نے جہاں حوروں کا ذکر کیا وہاں ان کی سب سے بہترین صفت یہی بتلائی کہ وہ اپنے شوہروں کی محبوب ہوں گی، ارشاد ہے: "عربا أترابا" (سورہ واقعہ: ۳۷) محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔ میاں اور بیوی کے مابین باہم سچی اور بے لوث محبت وہمدردی ایسی چیز ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لم يُر للمتاحبين مثل النكاح" (صحیح الجامع للالبانی) نکاح کرنے والے جوڑے کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس جیسی محبت کسی اور جوڑے میں نہیں دیکھی گئی۔

اور حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ سفر میں تھی تو میں نے آپ ﷺ سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں مقابلہ میں آپ ﷺ سے آگے بڑھ گئی پھر جب میرا جسم بھاری ہوگیا اور ہم دونوں میں ایک بار پھر مقابلہ ہوا تو آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: "هذه بتلك" یعنی میری یہ جیت تمہاری اس جیت کے بدلے میں ہے۔ (صحیح سنن ابی داود)

لہذا میاں بیوی دونوں اگر آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر محبت وپیار پر قائم رہیں تو یقینی طور پر ان کی ازدواجی زندگی انتہائی خوشگوار انداز میں گذر سکتی ہے۔ (جاری)

☆☆☆

بچپن کی محرومیاں سماج کے لئے ایک بڑا خطرہ

حماد عبدالغفار سلفی/علی گڑھ

نبی ﷺ نے امت سے عہد و پیمان لیا کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے شرط لگادی کہ میں تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا رویہ اپناؤں۔(صحیح البخاری، ح:۲۵۲۵)

عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ہر بھلے کام میں ان کی مدد کی جائے، ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں ان کے عیوب کی پردہ پوشی، ان کی مصیبتیں دور کرنا، برائیوں سے روکنا، دھوکہ نہ دینا، جان و مال کی حفاظت کرنا، بڑوں کی عزت کرنا چھوٹوں پر شفقت کرنا وغیرہ۔

اگر معاشرہ خیر خواہی کے اسی جذبے پر قائم ہو تو وہ رحمت وشفقت، امن وسلامتی اور محبت واخلاص سے بھرپور ایک خوشحال مثالی معاشرہ ہوگا۔خیر خواہی کا رویہ یہ صرف بڑوں کے ساتھ ہی نہیں بچوں کے ساتھ بھی روا رکھنا ہے، یہ بچے سماج کے کسی بھی طبقے کے ہوں ان کے حقوق کی ادائیگی کر کے انھیں سماج کا ایک فعال اور سود مند حصہ بنانا ہماری ذمہ داری ہے۔

لیکن عام طور پر مشاہدہ یہی ہے کہ بچوں کے حقوق سے اعراض کیا جاتا ہے، پیدائش کے بعد ختنہ وعقیقہ اور رضاعت پھر اسے تعلیم دلا دینا ہی کافی تصور کیا جاتا ہے، اسلامی اصولوں پر ان کی تربیت کا خیال چند ہی لوگوں کو ہوتا ہوگا، ان کے ساتھ تحمل و بردباری، عفو و درگزر، شیریں زبانی، افہام وتفہیم کا انداز بھی کم ہی نظر آتا ہے حالانکہ حدیث میں آتا ہے"لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف شرف کبیرنا"(رواہ الترمذی، رقم:۱۹۲۰)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑوں کا مقام ومرتبہ نہیں پہچانا، بچوں کے ساتھ رحم کرنا مذکورہ تمام باتوں کو شامل ہے۔

مالدار اور متوسط طبقے کے بچوں کی کفالت تو ڈھنگ سے ہوجاتی ہے وہ اپنی ہر خواہش پوری کر لیتے ہیں مارے باندھے کچھ تعلیم بھی حاصل کر لیتے ہیں،(الا یہ کہ بچہ خود اتنا حساس ہو کہ مجھے پڑھنا چاہئے)

لیکن سماج کا وہ طبقہ جو مالی پریشانیوں کا شکار رہتا ہے جس کی وجہ اپنی لازمی و بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو پاتیں انکے بچے بڑی خستہ حالی کی زندگی بسر کرتے ہیں بچپن کی ہر خواہش تو دل میں جنم لیتی ہے لیکن غربت ان کے آرزوؤں کا بڑی بے دردی سے جنازہ نکال دیتی ہے، ان کے اندر بھی کھلونوں سے کھیلنے کی حسرت ہوتی ہے، وہ بھی چاہتے ہیں کہ خوشیوں کے موقع پر اچھا لباس پہنیں، اپنے ننھے ہاتھوں سے غبارے اڑا کر اسے پکڑنے کی کوشش کریں، رنگین بستوں میں کتابیں رکھ کر مدرسہ واسکول جائیں، مگر یہاں تو صرف آرزو ہیں خواہشات ہیں ایسے خواب ہیں جن کی تعبیر ان کے والدین سے ممکن نہیں۔

یہ سسکتی زندگی ان بچوں کو دو ہی چیزیں دیتی ہے یا تو بچپن ہی سے ان کے حوصلے اسی قدر پست ہو جاتے ہیں کہ وہ

جوانی کے بعد بھی ضعف وکم حوصلگی کا شکار رہ کر امت کی کمزوری میں اضافہ کرتے ہیں۔
یا تو سماج کے خلاف ان میں بغاوت جنم لیتی ہے پھر گالی گلوج اور چھوٹی موٹی چوریاں آگے بڑھ کر بڑے بڑے جرائم کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ جس سے مسلم معاشرہ کی شبیہ خراب ہوتی ہے، ہر دو صورتوں میں نقصان بہر حال اجتماعی ہوتا ہے۔
اس نقصان سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ان بچوں پر توجہ دی جائے، صرف روٹی کے چند ٹکڑے یا بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑے دے کر کیا ہم ان کی محرومیاں ختم کر دیتے ہیں ہرگز نہیں ہم اپنے بچوں کو دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کی ضروریات کیا کیا ہیں۔
بے مقصد کی تقریبات اور جلسے جلوس میں سالانہ کروڑوں صرف کر دینے والی قوم ان غریب بچوں کا سہارا نہیں بن سکتی، ان کے خواہشات کا تدارک نہیں کر سکتی؟ یقیناً کر سکتی ہے اور ایسا کرنا بڑی فضیلت کا حامل ہے" من كان فى حاجة أخيه كان الله فى حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كر بة من كرب يوم القيامة، متفق عليه، بخارى، كتاب المظالم، و مسلم كتاب البر والصلة۔
جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا، جو شخص اپنے بھائی کی کسی پریشانی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے قیامت کی کسی بڑی پریشانی کو دور کر دیتا ہے۔
ہمارے غریب بھائی کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم اس کے بچوں کی محرومیوں کو دور کریں ان کے ساتھ محبت آمیز برتاؤ کریں۔ ان کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں، ان کی تعلیم کا بندوبست کر کے انھیں معاشرے کا ایک طاقتور حصہ بنائیں، بصورت دیگر ان کے بگڑ جانے کا اندیشہ رہے گا جو ملک وملت کے لئے پریشان کن ہوسکتا ہے، بات چل نکلی ہے تو ایک اور چیز بھی بیان کر دوں وہ ہے بچوں کا جنسی استحصال، جو عموماً ایسے ہی پسماندہ طبقے کے بچوں کا ہوتا ہے، بچوں کے ساتھ بدفعلی کا شوق رکھنے والے انسان نما جانور کو کسی سزا کا خطرہ کم ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے یہ غریب خود ہی رو دھو کر رہ جائیں گے ان کی کون سننے والا، جو بھی ہو اس فعل شنیع کا اثر بچوں پر بڑا منفی پڑتا ہے وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے اسے لوگوں سے نفرت و وحشت ہونے لگتی ہے حتی کہ وہ اپنے آپ سے بھی گھن محسوس کرتا ہے ان ساری چیزوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ قتل وخونریزی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔
افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ یہ غیر فطری عمل تعلیمی اداروں و درسگاہوں تک سرایت کر چکا ہے، اور دنیا کے بہت سارے ممالک اور معاشروں میں ایسے شاذ لوگوں کی کثرت ہے، انہیں قانونی تحفظ بھی حاصل ہے اور چند مہینوں پہلے اس ملک میں بھی قانون اور سیاست کے گلیاروں میں یہ بحث چل رہی تھی اور اس جرم کے رسیا بڑی بے حیائی کے ساتھ اس کی وکالت کرتے نظر آتے تھے اور اس وقت اس بات کا انکشاف ہوا کہ اب یہ مرض کس قدر اس معاشرہ میں جو بڑا مہذب کہا جاتا ہے پھیل چکا ہے۔
اس شکستہ تحریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ امت خیر خواہی کے مفہوم کو سمجھ کر اسے بروئے کار لائے اور پاکیزہ اقدار کو زندہ رکھا جائے۔
☆☆

مدینہ منورہ قدیم تاریخ کے جھروکے سے

محمد فرقان معین الحق سلفی

مدینہ منورہ وہ مبارک ومقدس شہر ہے جسے رحمت دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے لئے منتخب فرمایا، یہ وہ شہر خوباں ہے جہاں سے دین اسلام کی کھلم کھلا فریضۂ دعوت کا موقع دستیاب ہوا، یہ وہ پہلا شہر ہے جو قرآنی تعلیمات سے منور ہوا اور یہاں کے باشندے اس کی تاثیر سے جوق در جوق مسلمان ہوئے، اس شہر کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہاں کے رہنے والوں کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی، اس کی مٹی خاک شفا ہے، اس شہر مبارک میں طاعون کی وبا ہرگز نہیں آئے گی، فتنۂ دجال سے یہاں کے لوگ محفوظ رہیں گے، یہ وہی شہر ہے جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''اللهم حبب الينا المدينة كحبنا مكة أو أشد منها'' (صحیح بخاری ۹۴۴/۲) الٰہی ہمارے لئے مدینہ کو تنا ہی محبوب بنادے جتنا کہ مکہ مکرمہ کو کیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ اس کے علاوہ اس شہر کی دنیا کے تمام شہروں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے۔

لفظ یثرب ایک تعارف:

یثرب لفظ ثرب سے مشتق ہے جس کے معنی فتنہ وفساد کے ہیں۔ یا تثریب سے مشتق ہے جس کے معنی مواخذہ وعذاب کے ہیں۔

یثرب مصری لفظ ''تھربیں'' کی تعریب ہے، یہاں پہلے عمالیق آباد تھے۔[۱] علامہ حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک کا نام یثرب تھا، جب ان کی اولاد متفرق مقامات میں جا کر آباد ہوئی تو یثرب نامی شخص اس سرزمین میں آکر قیام پذیر ہوئے اس لئے اس وادی کو یثرب کے نام سے شہرت ہوئی''۔[۲]

یثرب کی پہلی آبادی:

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر بحر ظلمات کو پار کرکے آگے بڑھے تو ملک شام کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور کامیاب بھی ہوئے پھر موجودہ معروف ومشہور شہر مدینہ منورہ کے پاس آباد ایک قبیلہ ''عمالیق''[۱] تھا اس کی سرکوبی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جماعت روانہ فرمایا، یہ جماعت تو فتح کرنے میں کامیاب ہوئی لیکن ایک شخص ارقم بن ارقم نامی کو ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر چھوڑ دیا تھا، جب اسرائیلی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ رہے تھے کہ آپ علیہ السلام اس دنیا سے کوچ کر چکے تھے، چنانچہ یہ جماعت جب اپنے

۱ ارض القرآن ۹۹/۲ لسید سلیمان ندوی، مطبوع دار المصنفین ۱۹۱۵ء

۲ سیرت النبی ﷺ ۶۳/۴ لمورخ اسلام علامہ حلبی رحمہ اللہ

ساتھیوں سے ملے اور فتح کی خوش خبری سنائی تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے لیکن جب پتہ چلا کہ اس جماعت نے ایک شخص کو قتل نہیں کیا تو اس جماعت کو ان لوگوں نے اپنے پاس نہیں رہنے دیا، بنابریں یہی اسرائیلی جماعت جو عمالیق پر فتح حاصل کی تھی مجبوراً واپس شہر عمالیق میں آکر آباد ہوئی اور یہی اہل کتاب یہود بنو قریضہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۱

ادھر یہ لوگ آباد ہوئے اور ادھر سیل عرم ۱۱۵ ق م جو بجانب یمن آباد تھا متاثر ہو کر مدینہ منورہ کے آس پاس آباد ہوئے اور انہیں لوگوں کے جدۂ اعلیٰ اوس اور خزرج تھے۔ ۲ اوس وخزرج یہ دونوں انصار کے دو الگ الگ قبیلہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کے آمد مدینہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، یہ دونوں قبیلہ غسان کے ہم نسب ہیں اور ان دونوں کے والد حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن مزیقیا بن عامر تھے اور یہ بنی عبد اشہل یعنی بنو اسماعیل سے تھے اور عمرو بن عامر اور حارثہ یہ دونوں غسانی اور اوس وخزرج کے پدر اعلیٰ تھے، غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب میں سکونت اختیار کی، پھر اوس و خزرج ایک مدت تک تو باہم متحد ومتفق رہے لیکن یہ بھی عرب کی فطرت کے مطابق آپسی خانہ جنگی میں منہمک ہو گئے اور مختلف جنگیں لڑنے کے بعد آخری جنگ ''بغاث'' میں انصار مدینہ میں سب سے پہلا شخص باشندائے یثرب قتل کر دئے گئے۔ ۳

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''عمالیق مدینہ منورہ میں پہلے آباد تھے اور ان کے قبائل مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے، عمالیق ۳۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے اور ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے اس بنا پر اس شہر کی تعمیر وآباد کا زمانہ ۳۲۰۰ ق م اور ۱۶۰۰ ق م کے درمیان ہے، سام بن نوح کی اولاد میں عمالیق ایک تھا جو یثرب میں آباد تھے پھر بنی اسرائیل نے اس پر حملہ کر کے یثرب، حجاز وخیبر وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ یہود قریضہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع اور حجاز کے تمام یہود انہیں لوگوں میں سے تھے جو ۷۰ء میں یثرب کی سکونت اختیار کی۔ ۴

مدینہ منورہ کی وجہ تسمیہ:

مدینہ دین سے مشتق ہے، جس کے معنی طاعت کے ہیں، چونکہ اس شہر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے اس لئے اس کو مدینہ کہتے ہیں۔ ۵

علامہ عباس مصری رقمطراز ہیں کہ مدینہ کا نام ''البرۃ'' بھی اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس کے باشندے کثرت سے نیکی کرتے اور مستحق اجر عظیم ہوتے ہیں۔ ۶

جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول نام اپنایا اسی وقت

---

۱ عمالیق یہ عملوق کی جمع ہے جو دو لفظ عم اور لاق سے بنا ہے جس کے معنی عبری میں قوم اور عربی میں أمۃ کے ہیں۔

۲ تاریخ انبیاء لابن خلدون اردو ۱/ ۵۷ تا ۱۷

۳ قصص القرآن لحفظ الرحمٰن سیوہاروی ۳/ ۳۲۰

۴ فتوح البلدان ص: ۳۹

۵ تاریخ ابن خلدون ۲/ ۲۴۱، قصص القرآن ۳/ ۳۲۰، أرض القرآن ۲/ ۹۹

۶ جذب القلوب ص: ۱۰

۷ تاریخ حرمین شریفین ص: ۱۷۸

سے اسے مدینہ منورہ کہا جانے لگا۔

مدینہ منورہ کے دیگر اسماء مبارکہ:

اس شہر خوباں کا مبارک نام مدینہ منورہ ہے جو ہر مسلمان کے لئے حرز جان کی حیثیت رکھتا ہے اس کے علاوہ بھی متعدد نام قرآن کریم، حدیث نبوی میں وارد ہوئے ہیں اور بعض لوگوں نے تو تقریباً تیس نام بتلائے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی نے قریب قریب ایک ہزار نام قلمبند کیا ہے جو اس چہر کی فضیلت ومنقبت پر دال ہے، ان اسماء مبارکہ میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱-ارض الہجرۃ: اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منور گئے تھے اور یہ مستقل سکونت اختیار کی اس لئے یہ نام پڑا۔

۲-ارض اللہ: اس لئے کہ قرآن مجید میں ہے ﴿الم تكن ارض الله واسعة......الآية﴾ [۱] لہذا اس آیت میں ارض اللہ سے مدینہ منورہ مراد ہے جہاں ہجرت کرکے گئے تھے۔

۳-طابۃ: آپ ﷺ کا فرمان اس نام پر وارد ہے’’ إن الله أمرني ان اسمي الدمينه طابة‘‘ [۲] اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں۔

۴- جنت حصینہ: یہ نام اس وقت پڑا جب رسول اکرم ﷺ غزوہ کے موقع پر فرمائے تھے’’ أنا في جنة حصينة‘‘ [۳] یعنی میں ایک مضبوط ڈھال کے اندر ہوں، اس سے مراد مدینہ منورہ ہے، ان کے علاوہ بیت الرسول، جزیرۃ العرب وغیرھا نام گنایا گیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ حرمین شریفین۔

مدینہ منور میں بسنے والی قومیں:

دوشنبہ ۱۴ھ نبوت مطابق ۶۲۲ء کو رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے قبا سے ہوتے ہوئے بنو سالم بن عوف کی آبادی میں پہنچ کر نماز جمعہ ادا کی اور بعد نماز جمعہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کے بجائے مدینۃ الرسول شہر رسول پڑ گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ [۴]

مدینہ پہونچ کر رسول اکرم ﷺ کو تین طرح کے قوں سے سابقہ درپیش پڑا۔

۱-آپ ﷺ کے پاکباز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی منتخب اور ممتاز جماعت۔

۲-مدینہ کے قدیم اور اصلی قبائل سے تعلق رکھنے والے مشرکین جو اب تک ایمان نہیں لائے تھے۔

۳-یہود: ان کے تین مشہور قبیلے تھے۔

[۱] سورۃ النساء: ۹۷ [۲] صحیح مسلم ۱/۲۵۱ والبخاری ۱/۲۵۲

[۳] السلسلۃ الصحیحۃ ۳/۹ والجامع الصغیر للألبانی رقم: ۳۴۷۶ [۴] الرحیق المختوم اردو ص: ۲۴۰

(۱)بنوقینقاع (۲)بنونضیر (۳)بنوقریظہ

شاہ تبع کا محل اور رسول اللہ ﷺ کا مسکن:

یمن کا بادشاہ اسعد بن کرب نے علماء یہود سے سنا تھا کہ آخری زمانہ میں ایک نبی آئے گا جس کا مسکن مدینہ ہوگا اس لئے اس کو ویران نہ کیا جائے، یہ سن کر انہوں نے اس آنے والے نبی (رسول اکرم ﷺ) تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ایک خط لکھا اور مدینہ منورہ کے اندر ایک محل تیار کرایا کہ آخرالزمان وہاں قیام فرمائیں اور خط میں یہ لکھ دیا تھا'' شهدت على أنه رسول من الله فلو مد عمرى إلى عمره لكنت و زيرا له'' بنابریں یہی وہ محل تھا جسے رسول اکرم ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کو بطور مسکن اپنائے تھے اور اس میں ٹھہرے تھے۔ [۱]

مسجد نبوی کا مختصر خاکہ:

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام پذیر ہوئے اس وقت ایک خالی میدان جو دو یتیم بچے سہل و سہیل کی ملکیت میں تھا خرید کر صفائی ستھرائی کے بعد مسجد کی بنیاد رکھی اور ابتداً اس کے تین دروازے رکھے گئے۔ ایک قبلہ یعنی خانہ کعبہ کی جانب جو عام لوگوں کے لئے تھا اور یہ دوسرے سال تک باقی رہا پھر جب خانہ کعبہ قبلہ بنا تو یہ دروازہ بند کرکے اس کے عوض بیت المقدس کی جانب دروازہ بنایا گیا۔

دوسرا دروازہ مغرب کی جانب جسے باب رحمت کہا جاتا ہے کھولا گیا۔ تیسرا دروازہ مشرق کی جانب جسے باب جبرئیل کہا جاتا ہے کھولا گیا۔

اس وقت ابتداً اس کی دیوار کی بلندی سات ہاتھ تھی اور تعمیر کچی اینٹوں سے ہوئی تھی اور صحن کھلا ہوا تھا اور اس کے درمیان ایک سائبان تھا اور اس کے اوپر چھت کھجور کے ستون پر قائم تھی اور اس کی طول وعرض تقریباً ۱۰۰×۱۰۰ مربع ہاتھ تھا۔ [۲] اور منبر خود آنحضرت ﷺ تیار کئے تھے اس کے مقابلے محراب مسجد نبوی کی بات تو یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بنایا ہوا تھا جو وقت گزرتے ہوئے منبر کے ساتھ محراب کی شکل وصورت بھی بدلتا گیا، موجودہ دور میں مسجد نبوی کے کل نو دروازے ہیں جو تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ (۱) باب الرحمۃ یا عاتکۃ یا سوق (۲) باب جبریل (۳) باب السلام (۴) باب عمر بن الخطاب (۵) باب النسأ (۶) باب عبدالعزیز (۷) باب عثمان (۸) باب عبدالمجید (۹) باب سعود [۳]

قاری شریف احمد مسد نبوی کے کل دس دروازے کا ذکر کیا ہے اور وہ باب ابوبکر ہے۔

مدینہ منورہ کے معروف ومشہور محلات:

قدیم تاریخ کی کتابوں میں جن محلات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) محلّہ شاہراہ بازر (۲) محلّہ شاہراہ مناخہ (۳) محلّہ

[۱] وفاءالوفاء ۱/۱۳۸، جذب القلوب لشیخ المشائخ عبدالحق محدث دہلوی ص:۵۹

[۲] طبقات ابن سعد ۱/۲۳۹ [۳] معین الحجاج لقاری شریف احمد ص:۴۲۸

عنبریہ (۴) محلّہ تاجوریہ (۵) محلّہ نخادلہ (۶) محلّہ باب الشاتی (۷) محلّہ باب قبأ (۸) محلّہ اغوات (۹) محلّہ باب المجید (۱۰) محلّہ ارمحبت [۱] ان کے علاوہ بھی چند چھوٹے چھوٹے محلات کا ذکر بعض کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

مسجد نبوی اور وادیٔ حجاز میں آتشزدگی:

مسجد نبوی میں پہلی بار بروز جمعہ یکم رمضان المبارک ۶۵۴ھ کو مسجد کے صحن کے چراغوں میں سے ایک شعلہ اڑا جس سے تمام مسجد جل کر خاکستر ہوگئی صرف ایک گنبد مسجد کے صحن میں رہ گیا تھا، اسے ناصرالدین نے ۵۷۶ھ میں بنوایا تھا۔ [۲]

اور ایک مرتبہ تیرہ رمضان المبارک ۸۸۶ھ کو آسانی بجلی گرنے سے مسجد کی چھت اور بڑے مینار کا ہلال جل گیا تھا چنانچہ مسجد کی دیوار گر پڑی اور اس کے اکثر ستون بھی زمیں بوس ہوگئے تھے، جب اشرف قاتلیبائی کو اس کی اطلاع ملی تو عمارت کی تجدید کا کام شروع کیا جس پر تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ کئے۔ [۳]

مدینہ منورہ میں شروع جمادی الاولی ۶۵۴ھ سے ۳/ جمادی الثانیہ تک زبردست زلزلے آتے رہے، ان کی آوازیں ایسی خوفناک تھیں گویا بادل گرج رہے ہیں یہاں تک کہ مسجد نبوی کی چھت و منبر سے بھی خوفناک آوازیں سنی گئیں، ایک رات میں متواتر چودہ یا اٹھارہ مرتبہ زلزلہ آیا اس خوفناک حادثہ کے تین ماہ بعد جب لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے حجاز کی جانب سے اس اگ کا ظہور ہوا جس کی پیشین گوئی مخبر صادق ﷺ ان الفاظ میں دے چکے تھے'' لاتقوم الساعة حتی تخرج نار من أرض الحجاز'' [۴] کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ حجاز کی وادی سے آگ نہ نکلے۔ چنانچہ یہ آگ ایک بہت بڑا قلعہ بند شہر کی مانند حجاز کی وادی سے نکلی تھی جس میں بڑے بڑے برج دکھائی دیتے تھے ۲۰۱۰ء کا موجودہ دبی کا برج اگر اس زمانے میں ہوتا تو یہ بھی آگ کی روشنی سے چمک اٹھتا، اس آگ کی ابتدا چھ جمادی الثانیہ بروز جمعہ ہوئی اور ۲۷/ رجب ۶۵۴ھ اتوار تک قائم رہی اس حساب سے اس کی کل مدت ۵۲/ دن ہوتی ہے، بعض نے اس کی کل مدت تین ماہ بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آگ کبھی تیز اور کبھی پست ہوجاتی تھی۔ [۵]

مسجد نبوی سے نکلنے والی قدیم سڑکیں:

مسدنبوی سے نکل کر پورے شہر مدینہ تک پھیل جانے والی سڑکوں کی کل تعداد پانچ کا ذکر قدیم تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے وہ یہ ہیں:

۱-بڑی شاہراہ: یہ باب عبدالعزیز سے شروع ہوکر میدان جنت البقیع کی طرف جاتی ہے۔

۲-بڑی سڑک جنوب کی جانب: یہ باب السلام سے نکل کر شارع درب الجنائز کی طرف جاتی ہے۔

---

[۱] آئینہ حجاز طبع زاہدا کیڈمی حیدرآباد ص:۵۹۸ — [۲] وفاء الفاء/۲/ ۵۹۸
[۳] وفاء الوفاء/۱/ ۶۳۵ — [۴] صحیح البخاری/۲/ ۱۰۵۴
[۵] جذب القلوب ص:۴۶

۳-بڑی سڑک: یہ باب الصدقہ سے میدان بقیع سے ہوتے ہوئے ایرپورٹ تک جاتی ہے۔

۴-غزلی جانب: یہ سڑک اوقاف مسجد میں شامل ہے۔

۵- شرقی جانب: جو مسجد نبوی کے مشرقی جانب سے گزرتے ہوئے جنوب سے شمال کی جانب پورا شہر مدینہ تک پھیلی ہوئی ہے۔

مساجد مدینہ منورہ:

ویسے تو موجودہ دور میں مساجد مدینہ کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہیں لیکن قدیم تاریخ کی کتابوں میں قدیم مسجدوں کی تعداتقریباً ۲۰ سے ۲۲ بتایا گیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱-مسجد قباء: یہ صبح سعادت نشاں جس میں رسول اکرم ﷺ کا ورود مسعود و محمود ہوا تھا۔

۲-مسجد جمعہ: قباء سے کچھ فاصلہ پر مدینہ منورہ کے راستہ میں قبیلۂ بنو سالم بن عوف میں آباد تھی، آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو قباء میں چودہ روز قیام کرکے جمعہ کی نماز یہاں پہونچ کرادا کی تھی۔ [۱]

۳-مسجد بنوقریظہ: یہ مسجد ایک چھوٹی سی مسجد الشمس سے مشرقی جانب حرہ شرقیہ کے باغات کے انتہاء پر واقع ہے یہ دوران محاصرۂ بنوقریظہ تعمیر کی گئی تھی، اس کا طول وعرض تقریباً ۳۰×۳۰ فٹ تھا۔ [۲]

۴-مسدالبقیع: یہ جنت البقیع کے دروازے سے نکلتے وقت دروازہ سے متصل دائیں ہاتھ پر واقع ہے ۱۳۹۴ھ تک اس کی عمارت موجود تھی مگر دروازے بالکل بند تھے۔ [۳]

۵-مسجد طریق السافلہ: یہ مسجد سید الشہداء کے مشہد کو جاتے ہوئے راستہ کے دائیں جانب واقع ہے اس کا طول عرض ۱۲×۱۲ فٹ ہے۔ [۴]

۶- مسجد الاجابہ: یہ مسجد جنت البقیع کے شمال جانب شہداء کے احاطہ کے قریب واقع ہے اسے مسجد معاویہ بھی کہتے ہیں۔ [۵]

مدینہ منورہ کے مشہور قدیم کنویں:

وہ سات معروف ومشہور کنویں جنہیں یہ شرف حاصل ہیں کہ ان کا پانی رسول اکرم ﷺ نے بذات خود پیا ہے، ان سات کنوئیں کو ''ابیار سبعہ'' کہا جاتا ہے جو یہ ہیں۔

(۱) بئر بضاعۃ (۲) بئر رومہ (۳) بئر بصہ (۴) بئر اُریس (۵) بئر غُرس (۶) بئر جار (۷) بئر عہن [۶]

---

[۱] تاریخ حرمین شریفین ۲/۳۹

[۲] وفاء الوفاء لعلامہ سمہودی ۲/۳۲

[۳] معالم دار الہجرۃ للشیخ مراغی ص: ۱۳۷

[۴] جذب القلوب ص: ۱۴۲

[۵] وفاء الوفاء ۳/۳۸

[۶] تاریخ مدینہ منورہ ص: ۱۳۰ العبد المعبود

ان کے علاوہ مدینہ منورہ کے اندر تقریباً بیس کنوئیں ہیں لیکن ان میں سے بعض معدوم ومنہدم ہو چکے ہیں اور آج کے دور میں تو شاید ان کنوؤں کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہوگی الا یہ کہ ان میں گندگی پھینکنے کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

مدینہ منورہ کی فضیلت:

مذہب اسلام میں مقامات واوقات کو اپنے اپنے حساب سے ایک دوسرے پر فضیلت وبرتری اور منقبت حاصل ہیں جیسے کوئی آدمی کوئی نیکی یا گناہ حرم کے مہینے میں یا حلال مہینے میں لیکن حرمین شریفین کے اندر کرتا ہے تو اس کی نیکی وبدی میں کافی فرق پڑ جاتا ہے، یہی حال مدینہ منورہ کی حلت وحرمت کے کام انجام دینے والے کے نیکی وبدی کا، مدینہ منورہ کی فضیلت پر صحیحین وسنن اور مسانید ومصنفات کی کتابوں میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی عظمت کی قسم کھا کر اس کی اہمیت وفضیلت میں چار چاند لگا دیا ہے فرمایا: ''لا أقسم بهذا البلد'' [1] کہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، اس آیت سے بعض مفسرین نے مدینہ منورہ ہی مراد لیا ہے، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اس شہر خوباں میں میں مرنے کی امید کرنے پر ابھارتے ہوئے فرمایا: ''من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت فمن مات بالمدينة كنت له شفيعا وشهيدا'' [2] جس شخص کی طاقت ہو کہ وہ مدینہ منورہ میں مر سکے تو وہ مدینہ ہی میں مرے اس لئے کہ جو بھی مدینہ منورہ میں مرے گا میں اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کروں گا اور اس پر گواہی دوں گا۔

بڑے ہی اختصار کے ساتھ میں نے مدینہ منورہ کی یہ تاریخ بیان کر دیا، تفصیل کے لئے مدینہ منورہ پر پائی جانے والی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شہر مبارک کو تا قیامت فضیلت وبرکت والا بنائے رکھے اور ہر طرح کے فتنہ وفساد سے اس کو محفوظ رکھے اور ظاہری وباطنی گندگیوں سے پاک وصاف رکھے۔ آمین

☆☆☆

[1] سورۃ البلد: ۱

[2] الجامع الصغیر وزیادتہ رقم: ۶۰۱۵، والمشکاۃ: ۲۷۵۰، والترغیب ۲/۱۴۲، وصححہ الألبانی

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:۱۲)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

قیام الٰہ آباد اور اصلاحی جدوجہد: الٰہ آباد میں بارہ یا پندرہ دن عازمین حج کا قیام رہا، آپ نے وہاں تین جمعہ پڑھا، پہلا جمعہ چوک کی مسجد میں ہوا، چوں کہ مسجد تنگ تھی اور لوگ بکثرت آتے تھے اس لئے باہر کپڑا بچھا کر نماز میں شامل ہوئے، سید صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا آئندہ جمعہ شاہی مسجد میں ہوگا، جو قلعہ کے سامنے تھی اور مدت سے بے آباد تھی، سید صاحب نے اسے خوب صاف کرایا اور بعد کے دو جمعہ یہیں ادا کئے بلکہ نماز بھی وہیں پڑھتے تھے، مولانا عبدالحئی حسب معمول وعظ کہتے تھے اور بہت سی ہندوانہ رسم ورواج کا خاتمہ کیا۔(۱)

وہابی تحریک کی اصلاحی کوششوں کے نتائج: جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ جو بھی حضرات تحریک سے وابستہ ہوتے اور امیر تحریک سے بیعت کرتے تو ان کے لیے لازمی قرار دیا جاتا کہ وہ عقائد واعمال کی اصلاح کریں، سچے اور مخلص موحد بن کر رہیں، اسلامی شعار کو اپنائیں اور ارکین اسلام کی کما حقہ ادائیگی کریں، سید صاحب جس سے بیعت لیا کرتے اس کو خود بھی نماز پڑھاتے اور اس علاقے میں دینی تعلیم کا بندوبست کر دیا کرتے، کسی ایسے لائق اور ذمہ دار شخص کو مقرر کر دیتے جو بحسن وخوبی اس ذمہ داری کو نبھاتا۔(۲) اس کے علاوہ اس تحریک کے ذریعہ کئی اصلاحات ہوئیں۔

نکاح بیوگان: آپ ﷺ کی سنت مطہرہ کی جو پامالی ہندوستان میں ہورہی تھی، اس کا خلاصہ ابتداء ہی میں مذکور ہے، نکاح بیوگان کو منحوس سمجھنا بھی اسی میں سے تھا، جو ہندو تہذیب وتمدن سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں رائج ہو گیا تھا، امیر تحریک سید احمد شہید نے سب سے پہلے سنت نبویہ کا دوبارہ اجرا کیا، اہل خاندان اور دیگر قرابت داروں نے اس کی بہت مخالفت کیا، لیکن آپ نے سب کو مسکت دلائل سے خاموش کر دیا، بعد میں یہی سنت خاندان صادق پور کے ایک فرد نے اس نیک کام کو بہار میں جاری کیا، اور پھر تقریباً تمام ہندوستان میں اس کا اجرا ہو گیا۔

فرضیت حج کی بحالی: تحریک مجاہدین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے حج کی فرضیت جسے ہندوستان میں منسوخ قرار دیا گیا تھا بحال ہوئی اور جہاد پر اسے مقدم کرتے ہوئے اس عظیم تحریک نے اس عظیم فریضہ کو انجام دیا اور اعلان عام کر دیا کہ جو چاہے ساتھ جانے کو تیار ہو جائے، اگر کسی کے پاس خرچ نہیں ہے تو وہ ادا کر دیا جائے گا، اور اگر کسی نے منسوخی حج کی بات کی تو اسے دلائل وبراہین کی روشنی میں سمجھایا گیا، سفر حج کے دوران مقام گنتنہ (گنتی) کے قریب موضع گڑھ تھا جہاں کے مولوی یار علی نے فرضیت حج کو ساقط کر دینے پر ہی قناعت نہیں کیا تھا بلکہ سفر حج کی معصیت کا وعظ کہتا تھا، استدلال یہ تھا

(۱) سید احمد شہید ص:۱۸۹ تا ۱۹۳۔ (۲) حوالہ سبقہ ص:۱۹۰۔

کہ سمندر کے سفر میں جہاز ڈوب جاتے ہیں اور چونکہ قرآن میں آیا ہے کہ اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو: ﴿ولا تلقوا بأیدیکم إلی التھلکة﴾ (۱) اس لیے مولوی یارعلی علی الاعلان کہتا رہتا تھا کہ جو لوگ خطرات کے باوجود حج کے لیے جاتے ہیں وہ قرآن کی اس آیت کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا عمل سراسر غلط ہے، شاہ اسماعیل نے اس مولوی سے ملاقات کی اور فرضیت حج کو دلیل سے واضح کیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کا معتقد بنایا۔(۲)

ہندوانہ رسم ورواج کا خاتمہ: مسلمانوں نے ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر کئی بری رسمیں اختیار کرلی تھیں، یا یوں سمجھئے کہ جو ہندو مسلمان ہوئے وہ اپنے یہاں کی بعض رسمیں بھی ساتھ لائے اور حلقۂ اسلام میں آنے کے بعد بھی انہیں نہ چھوڑا، ان رسوم کی جڑیں اتنی گہری اور مضبوط تھیں کہ طنز وتشنیع اور دشنام طرازی کے خوف سے ان کا اکھیڑنا انتہائی دشوار کام تھا، مثلا:

ختنہ، شادی بیاہ، ولادت اور دیگر خوشی وغمی کے موقعوں پر بے جا اسراف وتبذیر کرنا، اس سے امت کی ایک بڑی رقم فضول کے کاموں میں سرف ہوتی تھی۔

انہیں میں سے ایک بری رسم یہ تھی کہ شادی وغمی کے مجلسوں میں دیہاتی لوگ کھانا درخت کے پتوں پر کھلاتے تھے، شہری لوگ اس غرض کے لیے مٹی کی رکابیاں استعمال کرتے تھے، جو کھانا بچتا اسے بیکار پھینک دیتے، ایک راوی کا بیان ہے کہ الہ آباد سے کلکتہ تک یہ رسم عام طور پر رائج تھی، سید صاحب کو معلوم ہوا تو سختی سے روک دیا، فرمایا کھانا اللہ کی نعمت ہے اسے یوں پھینکنا کمال بے ادبی ہے، چنانچہ جہاں جہاں آپ پہنچے اس بری رسم کا ازالہ فرماتے گئے۔(۳)

ان تمام ہندوانی رسم ورواج کو وہابی تحریک کے ذریعہ ہی ختم کیا گیا۔

جذبۂ آزادی: اسلام نے جس قدر آزادی پر زور دیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ قدم بقدم اپنے پیروؤں کے اس جذبۂ حریت وآزادی کو بیدار رکھنے کا سامان بھی فراہم کیا ہے، غلاموں کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت بتلائی گئی ہے، لیکن ہندوستانی مسلمانوں کا یہ جذبہ خوابیدگی کے عالم میں تھا، دوسروں کو آزاد کرنے کا تو ذکر چھوڑیے، وہ بذات خود غلام بننے کو تیار تھے، وہابی تحریک نے اس جذبۂ حریت کو مسلمانوں میں دوبارہ پیدا کیا اور خوابیدگی سے عالم بیداری کی راہ دکھائی اور ایک بار پھر مسلمانوں میں جہاں روح جاگ اٹھی اور اہل وطن کو آزاد ہندوستان کا خواب دکھایا، ۱۸۵۷ء انقلاب کا ایک سبب یہ جہادی تبلیغ واشاعت بھی ہے، خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:

”۱۸۵۷ء کی تحریک میں عملا حصہ لینے والے بہت سے افراد سید احمد شہید کے افکار ونظریات سے متاثر معلوم ہوتے ہیں، بخت خاں کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ وہ جماعت مجاہدین سے ہی متعلق تھے۔(۴)

یہ متحقق ہے کہ آزادی کا یہ شعلہ برابر ۱۹۴۷ء تک دہکتا رہا، اہل دوآبہ کس جوش وجذبہ کے ساتھ جنگ آزادی میں شامل ہوئے یہ سب اسی وہابی تحریک کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔

☆☆☆

(۱) (۲) سید احمد شہید ص:۱۸۹۔
(۳) سید احمد شہید ص:۱۹۲۔ (۴) ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص:۱۵۔

خبر واحد اور اس پر عمل کے شرائط

راشد حسن فضل حق مبارکپوری

تاریخ حدیث کا سرسری جائزہ لینے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں اخبار آحاد کی حجیت و وجوب علم میں سلف صالحین کا کوئی اختلاف نہ تھا، خبر متواتر ہو یا آحاد دونوں کو دین میں اصولی حیثیت حاصل تھی، لیکن رفتہ رفتہ علم کلام کے بے اعتدالیوں اور تفلسف کی موشگافیوں نے متاخرینِ فقہاء اسلام پر غیر معمولی اثر ڈال کر عقب سے اسلامی عقائد واحکام پر یورش ویلغار کی، واقعۂ تحکیم میں شریک صحابہ کرام کی احادیث کا انکار کرکے خوارج نے فتنۂ انکار حدیث کا دروازہ کھولا، اور اہل تشیع نے صرف ۱۵/صحابہ کرام ''جو حضرت علیؓ کی ولایت تسلیم کرتے تھے'' ان کے علاوہ بقیہ صحابہ کرام کی حادیث کو رد کرکے اس کا دائرہ وسیع کردیا، اور پھر متاخرین میں عیسی بن اَبان (م-۲۲۱ھ) نے ''غیر فقیہ'' صحابہ سے مروی احادیث کا انکار کیا۔[۱]

زیر نظر مضمون کا تعلق چونکہ خبر واحد سے ہے (یعنی وہ حدیث جو تواتر کی حد کو نہ پہنچے) اس لئے وہیں سے اس بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

خبر واحد پر عمل کے شرائط:

خبر واحد بالاتفاق جمہور محدثین، فقہا اور اصولیین کے نزدیک حجت ہے، اس کے حجت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں، اس پر عمل کرنا واجب ہے، لیکن چونکہ بعض فقہا کے نزدیک یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے، اس لئے اس میں اختلاف ہوگیا، بعض اسے عقائد میں لائق عمل نہیں گردانتے، لہذا خبر واحد کی قبولیت کی شرائط میں محدثین واصولیین کے درمیان اختلاف ہوا، محدثین کے نزدیک قبولیت حدیث کے لئے ۵/شرطیں ہیں، خواہ وہ عقائد، احکام یا کسی بھی باب سے متعلق ہوں۔

(۱) راوی کا عادل ہونا (۲) راوی کا ضابطہ ہونا (۳) سند کا متصل ہونا (۴) حدیث کا شذوذ سے خالی ہونا (۵) علت سے خالی ہونا۔

یہ شرطیں جب پائی جائیں گی تو حدیث قابل حجت ولائق عمل ہوگی، خبر واحد کی قبولیت کے لئے چونکہ فقہاء واصولیین نے محدثین کے برخلاف کچھ شرائط عائد کئے ہیں، لہذا اشتراط میں خود فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

قسم اول: بعض اصولیین نے خبر واحد کی قبولیت کے لئے محدثین کی شرائط کا اعتبار کیا ہے اور عقائد واحکام دونوں میں اسے قابل حجت سمجھتے ہیں۔

قسم ثانی: بعض نے محدثین کی شرائط خمسہ پر اکتفا تو کیا ہے، مگر احکام وعقائد کے باب میں اسے حجت نہیں سمجھتے۔

قسم ثالث: بعض نے ان شروط خمسہ کے ساتھ اپنی طرف سے بعض خاص شروط کا التزام کیا ہے، اس کے قائل امام

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے زوابع فی وجہ السنۃ/للشیخ صلاح الدین مقبول ص:۴۱-۴۲ تا ۵۱ منکرین حدیث کے سلسلے میں مزید

ابوحنیفہ اور امام مالکؒ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ۴/ اور امام مالک نے ایک شرط لگائی ہے۔

۱- خبر واحد بلویٰ عام میں شاذ نہ ہو، یعنی وہ چیزیں جو عام ضروریات سے متعلق ہوں'' اس لئے کہ ان کو ہر شخص جانتا ہے۔ ''حنفیہ''

۲- وہ خبر مقبول نہیں ہوگی جس میں راوی کا عمل یا فتویٰ روایت کے خلاف ہو، "حنفيه خلافاً للجمهور"۔

۳- وہ خبر واحد مقبول نہیں ہوگی جو عمل اہل مدینہ کے خلاف ہو۔ "امام مالك خلافاً للجمهور"۔

۴- خبر واحد سے زیادة علی النص جائز نہیں ''تخصیص عام وتقیید مطلق''، "حنفيه خلافاً للجمهور"۔

۵- جب روایت قیاس جلی کے خلاف ہو تو اس صورت میں وہ روایت قابل قبول ہوگی، جب کہ اس کا راوی فقیہ ہو۔ [۱]

خبر واحد جب قیاس کے خلاف ہو:

اوپر گذر چکا ہے کہ خبر واحد کی قبولیت کے لئے محدثین نے ۵/ شرطیں لگائی ہیں، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبر واحد قیاس کے خلاف ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں تقدم کس کو حاصل ہوگا...؟ خبر واحد کو یا قیاس کو...؟ اس سلسلے میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

القول الاول: خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی: خواہ اس کا راوی فقیہ ہو یا غیر فقیہ، اس کے قائلین میں امام شافعی، امام احمد، ابوالحسن الکرخی جمہور ائمہ محدثین واکثر فقہاء ہیں۔ دلائل نص سے: (۱) روی عن النبی ﷺ أنه قال لمعاذ حين بعثه إلى اليمن قاضياً، بم تحكم...؟ قال بكتاب الله، قال: فإن لم تجد؟ قال: فبسنة رسول الله ﷺ قال فان لم تجد...؟ قال: أجتهد برأى ولا آلو۔ [۲]

وجہ الدلالۃ:

انہوں نے قیاس سے پہلے سنت کو ذکر کیا اور سنت میں تواتر واحاد کی تفریق وتقسیم نہیں کی، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی توثیق کی۔ [۳]

(۲) اجماع سے: صحابہ کرام کے زمانہ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت سارے مواقع پر قیاس کو خبر واحد کے ملتے ہی رد کردیا، جیسے حضرت عمرؓ کا انگلیوں کی دیت کے سلسلے میں موقف یہ تھا کہ جس

---

[۱] ملخص از "القواعد والمسائل الحديثية المختلف فيها بين المحدثين و بعض الاصولين و أثر ذالك فى قبول الاحاديث و ردها / لأميره بنت على بن عبدالله الصاعدى ص:۹۳ مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۲۱ھج

[۲] أخرجه ابوداؤد، كتاب الاقضية (۳۵۹۳)، ترمذى فى الاحكام ، باب القاضى كيف يقضى (۱۳۲۷، أحمد (۵/۲۴۲) فى سنده تلخيص الجير ۶/ص:۳۱۶۳، قال الترمذى لا نعرفه إلا من هذاالوجه وليس اسناده بمتصل۔

[۳] مصنف ابن أبى شيبه ۹/۱۹۲ (۲۸۲۷)، (۲۷۴۲۰-۲۱-۲۲-۲۳-۲۵وغيره)، مصنف عبدالرزاق (۱۷۶۹۴)، السنن الكبرى للبيهقى (۱۶۷۲۶) ۲۸-۱۲/۱۵۹، ترمذى (۱۳۹۱

انگلی سے جس قدر فائدہ حاصل ہوا اسی کے مطابق اس کی دیت رکھی جائے، لیکن جب آپ کو رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ''خبر واحد'' ملی.. قال رسول الله ﷺ فی إصبع مما هنالك عشر من الابل۔[1]

اس حدیث کے ملتے ہی حضرت عمرؓ نے اپنے قیاس کو ترک کر دیا، جب کہ قیاس کا تقاضا تو وہی تھا جو حضرت عمرؓ کا موقف تھا، مگر حضرت عمرؓ نے اس کا کچھ لحاظ نہیں کیا، اور خبر واحد کے آگے سر تسلیم خم کر لیا۔ [2]

(۳) عقلی دلائل: قیاس فرع ہے اور خبر واحد اصل ہے، لہٰذا فرع کو اصل پر تقدم حاصل نہیں ہو سکتا، نیز نبی ﷺ کا کلام غلطیوں سے پاک ہوتا ہے، جب کہ قیاس راوی کا اپنا اجتہاد و استنباط ہوتا ہے، اور نبی ﷺ کا کلام حتمی و قطعی ہوتا ہے، جب کہ راوی کا اجتہاد و ظن و گمان پر ہوتا ہے۔ [3]

القول الثانی: (۲) قیاس خبر واحد پر مقدم ہوگا: اس کے قائل حنفیہ ہیں، لیکن اس تقدم کے لئے ایک شرط لگاتے ہیں، وہ یہ کہ اس حدیث کا راوی فقیہ نہ ہو، جب راوی فقیہ ہوگا، تو ایسی صورت میں خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی، بعض لوگوں نے اس قول کی نسبت امام لوگوں کی طرف بھی کی ہے، مگر امام ابن سمعانی فرماتے ہیں کہ یہ سراسر ظلم، غلط اور باطل قول ہے۔

دلائل:

بیشتر صحابہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے خبر واحد کو رد کر کے قیاس کو اختیار کیا، مثلاً جب ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ''توضوا مما مسته النار'' [4] یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز ناقص وضو ہے، تو ابن عباسؓ نے کہا کیا اگر تم گرم پانی سے وضو کرو تو دوبارہ وضو کرو گے۔ اور ایک مرتبہ حضرت ابوھریرہؓ نے یہ کہا: ''من حمل جنازة فليتوضا'' [5] جو جنازہ کو کاندھا دے اسے وضو کرنا چاہئے، تو ابن عباسؓ نے فرمایا: ''أيلزمنا الوضوء من حمل عيدان يابسة'' کیا خشک لکڑی کے اٹھانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

فقہ راوی کے اشتراط کے قائلین اور ان کے اقوال:

خبر واحد جب خلاف قیاس ہو تو اس سلسلے میں علماء و فقہاء کے اختلافات مع دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ خبر واحد جب خلاف قیاس ہو تو اس کی قبولیت کے لئے فقاھت راوی کی شرط امام ابوحنیفہ رکھتے ہیں اور اس کی نسبت امام سیوطی نے ''تدریب'' میں اسنوی، آمدی، ابن الحاجب، القراضی، رازی وغیرھم نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف کی ہے،

[1] القواعد والمسائل الحديثية المختلف فيها بين المحدثين و بعض الاصولين و أثر ذالك فى قبول الاحاديث و ردها / د: اميرہ بنت على ص: ۹۰

[2] مزید تفصیل کے لئے: الاحکام فی اصول الاحکام/ لابن محمد الآمدی ۲/ ۱۶۹...د: ص/ ۱۷۱

[3] مزید تفصیل کے لئے: ایضا.........ص: ۱۷۱ // ///

[4] ترمذی، ابواب الطهارة (۷۹)، ابن ماجه فى الطهارة (۱/ ۱۶۳)، السنن الكبرى للبيهقى (۱/ ۱۵۳)

[5] ابوداؤد فى الجنائز (۳۱۶۱)، الترمذى (۹۹۳) وقال حديث أبى هريرةؓ حديث حسن۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ احناف کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف کرنا درست نہیں، بلکہ بعض فقہائے حنفیہ نے یہ شرط رکھی ہے، مثلاً عیسی بن ابان [1] ابوزید دبوسی، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث البخاری (م-۴۲۲) علامہ سرخی (م-۴۹۰) ھ علامہ بزدوی، ملا علی قاری، ابن ہمام، ابن امیر الحاج الحلبی ملا جیون بحرالعلوم لکھنوی، ولی اللہ لکھنوی، ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی، شبلی نعمانی (م-۱۹۱۴ء) ظفر علی تھانوی وغیرہم تک تمام اکابر واصاغر حنفیہ نے اس شرط پر اعتماد کیا ہے۔ [2]

اب اصولیین وفقہاء کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

" خبر الواحد مقدم على القياس، نص عليه وهو قول الشافعي وأصحابه وقالت الحنفية متى خالف الاصول أو معنى الأصول لم يقبل و يقبل قياس إذا خالف الاصول وحكى عن مالك تقديم القياس الواضح عليه و حكاه ابوالطيب عن أبى بكر الأئبهرى من المالكية والدشيخنا، وقال البستى من الحنفية تقديم رواية الفقيه على القياس، فأما غير فقيه فيقدم القياس عليه۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ خبر واحد کو قیاس پر مقدم رکھنے کے قائل ہیں، جب کہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ خبر واحد جب تک اصول یا معنی اصول کی مخالف ہو تو اس پر قیاس کو ترجیح دی جائے گی، خبر واحد پر قیاس جلی کی تقدیم امام مالک سے بھی منقول ہے اور امام بستی حنفیؒ کہتے ہیں کہ خبر واحد میں راوی اگر فقیہ ہے تو اس کو قیاس پر ترجیح دی جائیں گی، ورنہ غیر فقیہ ہونے کی صورت میں قیاس کو خبر واحد پر راجح قرار دیا جائے گا۔

علامہ جلال الدین حبازی لکھتے ہیں:

وكذا المعروف بالعدالة والضبط دون الفقه، كأبى هريرة رضى الله عنه، أنس بن مالك فيما وافق القياس وفيما خالف إن قبلته الائمة وإلا فالقياس الصحيح أحق، لأن الناقل بالمعنى من كلام من أوتي جوامع الكلم ينقل حسب فهمه من العبارة وعند قلة الفقه ربما يزيد أو ينقص شيئاً يتغير به المعنى۔ [4]

یعنی عدالت وضبط میں مشہور غیر فقیہ راوی جیسے ابو ہریرہؓ، انس بن مالک وغیرہم اگر قیاس جلی کے خلاف روایت کریں تو اس صورت میں ان کی وہ روایت مقبول ہوگی جب کہ اسے ائمہ نے قبول کیا ہو، بصورت دیگر قیاس اولی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی کا بیان کرنے والا نہایت فصیح وبلیغ شخص سے روایت کرتا ہے، لہذا وہ اپنی فہم کے بقدر اسے نقل کرتا ہے،

[1] القواعد و الاصول الحديثية المختلف فيها بين المحدثين و بعض الاصولين ص:۹۳

[2] فتنۂ انکار حدیث کا ایک نیا روپ / غازی عزیز مبارکپوری، ۲/ ۹۲ مطبوع جامعہ سلفیہ بنارس

[3] المسوّده ص:۲۳۹

[4] المغنی فی اصول الفقه، ص:۲۰۸

مزید برآں قلت فہم کی وجہ سے زیادتی وکمی بھی ہوجاتی ہے اور معنی کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔

قال سراج الهندی فی الجزء الأول من شرحه للغنی ٢٢٦ ب(٢٢٧الف) الزاوی إذا لم یکن فقیها یکون القیاس مقدما علی خبره إذا انسد به باب القیاس، وهو مذهب عیسی بن أبان وتابعه المصنف وأکثر المتأخرین خلافاً للکرخی، فأما عند الشیخ أبی الحسن الکرخی ومن نابعه من المشائخ فلیس فقه الراوی شرطاً لتقدیم خبره علی القیاس، بل یقبل خبر کل عدل فقیها کان أو غیره، إذا لم یکن معارضاً لدلیل أقوی منه یقدم علی القیاس قال صدر الإسلام وإلیه مال أکثر العلماء۔[1]

یعنی جب کسی روایت میں راوی غیر فقیہ ہوتو ایسی صورت میں قیاس کو خبر پر ترجیح حاصل ہوگی جب کہ اس روایت کی وجہ سے قیاس کا دروازہ بند ہورہا ہو، اس کو عیسیٰ بن ابان اور دیگر متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے، جب کہ شیخ ابوالحسن کرخی اور دیگر مشائخ خبر واحد کو قیاس پر مقدم کرنے کے لئے فقہ راوی کی شرط نہیں لگاتے، بلکہ کہتے ہیں کہ ہر عادل ضابط کی خبر قبول کی جائے گی، خواہ فقیہ ہو یا غیر فقیہ، مگر اس وقت جب کہ وہ اپنے سے قوی تر دلیل سے معارض نہ ہو، تو اس کو قیاس پر تقدم حاصل ہوگا، اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے۔

قال السیوطی فی التدریب: ثالثها أن من وجوه الترجیح: فقه الراوی سواء کان الحدیث مرویا بالمعنی أو اللفظ، لأن الفقیه إذا سمع ما یمتنع حمله علی ظاهره بحث عنه حتی یطلع علی ما یزول به الاشکال بخلاف العامی۔[2]

یعنی وجوہ ترجیح میں تیسری وجہ فقہ راوی ہے، خواہ حدیث روایت بالمعنی ہو یا باللفظ ہو، کیونکہ ایک فقیہ جب کوئی ایسی چیز سنتا ہے، جو بظاہر اس کے تحمل میں مانع ہوتی ہے تو وہ اس کے سلسلے میں خوب بحث وتفحص سے کام لیتا ہے، حتی کہ وہ اس چیز کو سمجھ جاتا ہے، جس کے ذریعہ اس کے اشکالات دور ہوجائیں، جب کہ ایک عامی ایسا نہیں کرسکتا۔

ان اقتباسات وتفصیلی بحث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خبر واحد کی قبولیت کے لے فقہ راوی کا اشتراط بعض حنفیہ نے لگایا ہے، نہ امام ابوحنیفہؒ نے، اور اس اصل کو مان لینے سے حدیثوں کا استخفاف لازم آتا ہے، جیسے حدیث مصراۃ وغیرہ جو خبر واحد ہے، اور قیاس جلی کے خلاف ہے، غیر فقیہ راوی حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس کا انکار کردیا، لہذا حدیث کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس اصلی کو نہ مانا جائے، اسی میں احترام حدیث وسنت مضمر ہے، واللہ ولی التوفیق۔

☆☆☆

---

[1] حاشیة المغنی فی اصول الفقه، ص:٢٠٨

[2] تدریب الراوی /للسیوطیؒ، النوع الثالث والثلاثون، معرفة مختلف الحدیث ٢/٦٥٥، والاجوبة الفاضلة للأسئلة العاشر الکاملة /لابی الحسناج الکنری، ص:٢١٠

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

مولانا قاری محمد زبیر فیضی مبارکپوری جوارِ رحمت میں

حمید حسن فضل حق مبارکپوری
متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

شہر مبارکپور ہمیشہ سے علم وفضل ،فکر وعمل کا گہوارہ رہا ہے، سرزمین مبارکپور میں مختلف مکاتب فکر کے بہت سے علماء، مفسرین، مصنفین ومولفین ،مترجمین ،فقہاء،محدثین ومجتہدین ،شعراء،خطباء وغیرہ پیدا ہوئے ،جس کے سلسلے میں گفتگو ایک طویل ہمہ جہتی کام ہے، سچ کہا ہے اقبال سہیل اعظمی نے :

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم بنتا ہے

مبارکپور کے اکابر واعاظم علماء کی اس فہرست میں مولانا قاری محمد زبیر صاحب کا نام اہمیت کا حامل ہے،افسوس کہ علم وفن کی دنیا کا یہ روشن ستارہ ، دین کا مخلص داعی اور سنت کا شیدائی ۱۳؍جنوری ۲۰۱۱ء بروز جمعرات صبح تقریبا ۸:۳۰ بجے ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنی تمام تر تابانیاں بکھیر کر اپنے مالک حقیقی سے جاملا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ذیل میں ہم آپ کی حیات پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش رہے ہیں۔

سلسلۂ نسب: محمد زبیر بن محمد اسحاق بن محمد ابراہیم بن عبدالسبحان بن عبدالرحمٰن مبارکپوری

ولادت: یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء کو محلّہ پورہ صوفی مبارکپور میں پیدا ہوئے۔

راہ علم میں: چونکہ آپ کے والد محترم قاری محمد اسحاق صاحب قاری تھے،اس لیے ناظرہ قرآن مجید اپنے والد محترم سے پڑھا، اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارکپور میں داخل ہوگئے، پرائمری درجات اور فارسی ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں اور ساتھ ہی ساتھ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور سے حفظ وقرأت حفص کی سند بھی حاصل کی ،اسی دوران شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانیؒ سے بلوغ المرام اور نخبۃ الفکر بھی پڑھتے رہے، شیخ الحدیث صاحب کے مشورے سے فیض عام مئو گئے جہاں آپ کا داخلہ تیسری جماعت میں ہوا، یہاں تعلیم کے سات سالہ ایام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ،قاری صاحب نے حفظ وقرأت کے مختلف مقابلوں میں حصے لیے اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے رہے، جامعۃ الملک سعود کے مسابقۂ قرآن میں بھی شرکت کی تھی اور پہلی پوزیشن حاصل کی ،کافی انعامات سے نوازے گئے۔

دوران تعلیم وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرأت کے دوسرے کورس (قرأت عشر وسبعہ) بھی مکمل کئے،الہ آباد بورڈ کے امتحانات میں بھی شرکت کرتے رہے،اس کے بعد جامعۃ الملک سعود سے ’’تدریب المعلمین ‘‘ کا ایک سالہ کورس ۱۹۸۷ء میں مکمل کیا، جس کا تذکرہ خود قاری صاحب نے اپنی کتاب ’’معارف الترمذی‘‘ جلد ثانی میں کیا ہے جو ابھی منظر عام پر نہیں آئی ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ سبل السلام دہلی چلے گئے جہاں آپ نے دو سال کا عرصہ گزارا پھر مدرسہ جامع اعظم بلی ماران دہلی میں بارہ سال تک صدر مدرس کی حیثیت سے رہے، اس کے بعد مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں بطور شیخ الحدیث تین سال مدرس رہے، اس کے بعد دار التعلیم مبارکپور جو آپ کا مادر علمی بھی تھا، آ گئے۔

مبارکپور اور مبارکپور کے علاوہ جہاں کہیں بھی رہے، خطابت کا سلسلہ جاری رکھا، مختلف مقامات پر دعوتی پروگرام اور اجلاس عام میں مدعو کیا جاتا تھا، خطبۂ جمعہ کی ذمہ داری مستقل طور پر سپرد کر دی جاتی تھی، مبارکپور میں جامع مسجد اہل حدیث بازار اور جامع مسجد پورہ صوفی میں خطبہ دیا کرتے تھے، آپ کی تقریر لوگ اس قدر پسند کرتے تھے کہ خطبۂ جمعہ سے پہلے ہی مسجد بھر جانے کے قریب ہو جاتی۔

تعلیم وتدریس کے ساتھ تصانیف وتالیفات میں بھی لگے رہے، ''دعائے محمدی'' کے نام سے دعاؤں کا ایک مختصر مگر جامع مجموعہ تیار کیا، اس کے بعد ''دعائے تعلیمی''، لکھی، ''وظائف محمدی'' کے نام سے رقیہ شرعیہ پر ایک نافع کتاب لکھی، امام بخاری ؒ کی مختصر سوانح قلمبند کیا، آپ کی تصنیفی خدمات میں سب سے اہم وجامع الصحیح للترمذی کی اردو شرح ''معارف الترمذی'' ہے جس میں ہر کتاب کا حوالہ رقم اور صفحہ کے ساتھ درج کیا ہے، ساتھ ہی محدث کبیر علامہ ناصر الدین البانی کا حکم بھی لگایا ہے، جلد اول منظر عام پر آ چکی ہے، لیکن جلد ثانی منظر عام پر نہیں آئی ہے، البتہ وہ زیر طباعت ہے جس کو دیکھنے کا شرف ناچیز کو بھی حاصل ہوا ہے۔

معارف الترمذی مکمل کرنے کے بعد موطأ امام مالک کی شرح لکھنے کا فیصلہ کیا، شروع کر دیا، بڑی عرق ریزی سے کام کرتے رہے، مگر قضا وقدر کے فیصلے کچھ اور تھے، عمر نے وفا نہ کی اور داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اور عظیم الشان علمی کام ہونے سے رہ گیا۔

اخلاق وکردار: قاری صاحب ایک عالم باعمل شخص تھے، اخلاص وللّٰہیت، بے نفسی، قناعت، زہد وتقوی اور سیرت وکردار کی پختگی میں فائق وبرتر تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کی دعاؤں میں بہت ہی اثر دیا تھا، آس پاس کے لوگ اپنے چھوٹے بچوں یا بیمار لوگوں کو دعا کرانے کے لیے لاتے تھے۔

قاری صاحب کے کل چار اولاد ہیں، جن میں سے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، علی الترتیب نام یہ ہیں: (۱) فرحانہ (۲) عمیر (۳) فضل حق (۴) انعام الحق۔ آخر الذکر صاحبزادے انعام الحق رحمانی ایک اچھے عالم دین ہیں، امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض سعودی عرب کے فارغ التحصیل ہیں، فی الحال مکتبہ دار السلام ریاض میں کام کر رہے ہیں، اللہ تعالی آپ کو باپ کا نعم البدل بنائے، آمین۔

آج قاری صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے، مگر مبارکپور کے منبر ومحراب سے دیئے گئے آپ کے پُر اثر خطابات کے تذکرے آج بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں، آپ کے قلم میں زور تھا، صاحب تصنیف تھے، اللہ رب العالمین تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما اور قاری صاحب کی علمی خدمات کے عوض بشری کوتاہیوں سے صرف نظر کر کے جنت میں اعلی مقام دے، آمین۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه۔ ☆☆☆

نقش عمل

فائق بندوی
سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ، بنارس

باوضو معصوم، پاکیزہ بدن اچھا لگا
کرتا، پاجامہ، مہذب پیرہن اچھا لگا

یہ ہیں عالی مرتبت عالم ہمارے دین کے
داڑھی کے بالوں سے چہرے کا چمن اچھا لگا

وہ جہاں پر بدعت وگمراہیاں چھائی تھیں کل
آج ان جگہوں پہ سنت کا چلن اچھا لگا

وہ تو زیادہ پاکے بھی کہنے لگا ''ھل من مزید''
آپ کا تھوڑے میں بھی رہنا مگن اچھا لگا

یوں تو اس دنیا میں نیک وبد بہت فنکار ہیں
جس میں ہو انسانیت وہ فکر وفن اچھا لگا

جانے کس کو کھل گئی شہر انا کی شانتی
ہم کو تو شہر بنارس کا امن اچھا لگا

یہ مرے باذوق یاروں کی نوازش ہے کہ وہ
کہتے ہیں فائق کا انداز سخن اچھا لگا

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

برطانیہ میں نومسلموں کی تعداد میں اضافہ

حالیہ تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ دہائی کے دوران مذہب اسلام قبول کرنے والے برطانویوں میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے، ہرسال تقریباً پانچ ہزار برطانوی مسلمان ہورہے ہیں، تحقیق کے مطابق اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ (دی سنڈے انڈین، ۱تا ۲۳رجنوری ۲۰۱۱ء ص ۱۲)

ہندوستان میں اسلامی مالیاتی نظام کا آغاز

ممبئی اسٹاک ایکسچینج نے تقوی ایڈوائزری شریعہ انویسٹمنٹ سالوشنس (تاسیس) کے اشتراک سے اپنا اسلامی انڈیکس شروع کردیا ہے، یہ ہندوستان کا وہ واحد انڈیکس ہے جہاں شریعت کے مطابق لوگوں کے لیے سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کئے جائیں گے، واضح رہے کہ ۲۷رد سمبر کو لانچ ہوئے اس انڈیکس کو بی ایس ای تاسیس شریعہ ۵۰ سے موسوم کیا گیا ہے، تاسیس کے بانی اور ڈائریکٹر ڈاکٹر شارق نثار کے مطابق مذکورہ اقدام سے ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے تجارت کے نئے مواقع پیدا ہوئے ہیں۔ (دی سنڈے انڈین، ۱تا ۲۳رجنوری ۲۰۱۱ء ص ۱۳)

عرب ممالک میں پیدا شدہ موجودہ صورت حال

تیونیسیا میں جو بغاوت کی آگ بھڑکی تھی، اب وہ لیبیا تک پہنچ چکی ہے، علاوہ ازیں بحرین، یمن، مراکش، کویت، ایران وغیرہ ممالک بھی اسی فہرست میں شامل ہیں، جہاں حکومت مخالف مظاہرے شدت اختیار کرتے جارہے ہیں، تیونیسیا کے صدر زین العابدین کے راہ فرار اختیار کرنے کے بعد مصر میں بھی بڑے پیمانے پر عوامی بغاوت برپا ہوئی اور آخر کار صدر حسنی مبارک کو اقتدار سے دستبردار ہونا پڑا۔

اب جبکہ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ لیبیا میں بھی زبردست تشویشناک حالات پیدا ہوگئے ہیں، حالیہ رپورٹ کے مطابق وہاں اب تک پانچ سو سے زائد افراد ہلاک ہوگئے ہیں، جن پر لیبیائی فورسز اور غیر ملکی عناصر نے گولیاں برسائی ہیں، عالم اسلام کے لیے یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے، عوام ان مظاہروں میں شامل ہیں اور ان کے کچھ جائز مطالبات اور شکایات بھی ہیں، لیکن اب یہ بات اور زیادہ قابل تحقیق ہوگئی ہے کہ کہیں عرب ممالک میں ان سلسلہ وار مظاہروں کے پیچھے کوئی اور طاقت یا کوئی اور غیر ملکی عناصر تو کارفرما نہیں؟ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام اس کو سنجیدگی سے لے، اور اس سلسلے میں مربوط حکمت عملی تیار کرے۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

☆ **خطاب ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ:**

ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ محترم مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب نے بتاریخ ۲۷ رجنوری ۲۰۱۱ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر طلبۂ جامعہ کو جامعہ کی پرشکوہ مسجد میں خطاب فرمایا، جس میں آپ نے طلبہ کو پوری محنت وجانفشانی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی نصیحت فرمائی نیز جامعہ کے نظم ونسق کی پابندی، جامعہ کے اثاثہ کی حفاظت، صفائی وستھرائی کا اہتمام اور طلبہ کے درمیان در آنے والی غلط عادتوں سے بچنے کی خاص طور سے تاکید فرمائی اور یہ امید جتلائی کہ آپ اچھے، نیک اور مثالی طالب علم بن کر جامعہ میں رہیں گے۔

☆ **جامعہ سلفیہ میں سخت سردی کی وجہ سے تعطیل:**

پورے شمالی ہند اور خصوصا بنارس میں سخت ترین سردی کی وجہ سے ریاستی حکومت کے فرمان کے مطابق جامعہ سلفیہ میں بروز بدھ بتاریخ ۱۰ رجنوری سے ۱۶ رجنوری بروز اتوار تک تعلیم بند کردی گئی اور طلبہ واساتذہ کو اس مختصر چھٹی میں گھر جانے کی اجازت دے دی گئی، طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور بعض اساتذہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر گھر تشریف لے گئے، اگرچہ اکثریت جامعہ میں ہی قیام پذیر رہی، چھٹی کے فورا بعد تعلیم دوبارہ شروع کردی گئی۔

☆ **جامعہ سلفیہ میں دعوت:**

جامعہ سلفیہ میں دیرینہ روایت قائم ہے کہ مختلف مواقع پر اہل خیر حضرات کی طرف سے اساتذہ وطلبہ کے لیے خصوصی دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک دعوت کا اہتمام ۲۳ رجنوری ۲۰۱۱ء بروز اتوار کیا گیا، جس میں جامعہ میں مقیم اساتذہ وطلبہ کے علاوہ بعض مقامی اساتذہ وطلبہ اور بالخصوص صدر وناظم جامعہ اور بعض مخلصین ومتعاونین شریک رہے۔

☆ **تقریب یوم جمہوریہ**

جامعہ میں امسال بھی یوم جمہوریہ کے موقع پر اسباق بند رہے، صبح ۹ ربجے پرچم کشائی کی گئی اور ندوۃ الطلبہ کی طرف سے ایک دلچسپ پروگرام پیش کیا گیا جس میں اساتذہ وطلبہ کے علاوہ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم صدر جامعہ سلفیہ، محترم مولانا عبداللہ سعود ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ کے علاوہ شہر وبیرون شہر سے تشریف لائے بعض مہمانان نے بھی شرکت فرمائی اور اس پروگرام سے لطف اندوز ہوئے۔

☆☆☆

باب الفتاوی

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:

سونے کے آداب کیا ہیں؟ جب کوئی شخص سونے کا ارادہ کرے یا سوکر بیدار ہو تو کیا پڑھے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور ہوں۔ والسلام

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

اسلام نے جس طرح تمام چیزوں اور تمام حالات ووقت کے سلسلہ میں مختلف قسم کی ہدایت ورہنمائی کی ہے، اسی طرح اسلام میں سونے اور جاگنے کے آداب بھی موجود ہیں، ان کو آپ ﷺ نے بھی اپنایا ہے، اور تمام مسلمانوں کو ان پر کاربند ہونے کا حکم بھی دیا ہے۔

ان میں سے چند ہدایات یہ ہیں:

۱- زیادہ آرام دہ بستر استعمال نہ کریں، یہ جو دنیا ہے اس میں مومن کو آرام طلبی، سہل اور عیش پسندی سے پرہیز کرنا چاہئے، زندگی مومن کے لیے جہاد ہے اس میں مومن کو ہمہ وقت اچھے کام کے لیے محنت ومشقت کرنا چاہئے۔

۲- سونے سے پہلے گھر کا دروازہ بند کرلینا، کھانے پینے کے برتن ڈھانک دینا چاہئے، چراغ، لالٹین اسی طرح بجلی کے بلب وغیرہ کو بجھا دینا یا آف کردینا چاہئے۔

۳- عشاء کی نماز سے پہلے سونے سے پرہیز کریں، پہلے سونے سے اکثر وبیشتر نماز عشاء خطرے میں پڑ جاتی ہے، اور کیا پتہ کہ یہ نیند ہماری زندگی کی آخری نیند ہو، اس لیے ہمارے نبی ﷺ عشاء سے پہلے سونے سے پرہیز کرتے تھے۔

۴- رات ہوتے ہی اپنے گھروں میں روشنی کرلیں، آپ ﷺ ایسے کمروں میں سونے سے پرہیز کرتے جن میں روشنی نہ کی گئی ہو، یہ بڑی حکمت ودانائی بھری بات ہے۔

۵- کافی رات تک بلا کسی شرعی ضرورت کے جاگنے سے پرہیز کریں، رات کو جلدی سونے اور سحر کو جلدی اٹھنے کی عادت بنالیں۔

۶- رات کو بلاضرورت جاگنے اور دن میں بلاضرورت نیند پوری کرنے سے بچیں، اللہ تعالی نے رات کو آرام وسکون، اور دن کو ضروریات کے لیے دوڑ دھوپ وتلاش معاش کرنے کا وقت قرار دیا ہے۔ (سورۃ النباء وسورۃ الفرقان)

۷- سونے سے پہلے بستر کو اچھی طرح جھاڑ لیں، اور پٹ لیٹنے اور بائیں کروٹ سونے سے پرہیز کریں، اس طرح سونا اللہ کو ناپسند ہے، یہ تمام باتیں مختلف احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں۔

۸- کتنی ہی سخت سردی کیوں نہ ہو کمرے کو بالکل اس طرح نہ بند کریں کہ باہر کی ہوا اندر نہ آسکے یا اندر جو گیس پیدا ہوتی ہے نہ باہر جاسکے، یہ کبھی کبھار صحت کے لیے انتہائی مضر ثابت ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو اس سے جان کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اور موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

پھر جب سونے کا ارادہ کریں تو دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر دائیں کروٹ لیٹیں، چنانچہ حضرت حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ رات میں اپنے بستر پر سونے کے لیے جاتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گال کے نیچے رکھ لیتے پھر کہتے: "اللهم باسمك أموت و أحيا" یعنی اے اللہ! تیرے نام ہی سے میں مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے: الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور" یعنی شکر اور تمام تعریف اس اللہ کی ہے جس نے ہمیں مار کر پھر جلایا اور اسی کی طرف ہم کو قیامت کے دن اٹھ کر جانا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۳۱۴، مسلم: ۲۷۱۱)

اسی طرح حضرت نوفل اشجعی ؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سورہ "قل یا أیها الکافرون" پڑھ کر سویا کرو، اس لیے کہ وہ شرک سے بیزاری کا اعلان ہے۔ (صحیح ابی داود ح: ۵۰۵۵)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بیدار ہو تو یہ کہو: "الحمد لله الذي عافاني في جسدي ورد علی روحي واذن لي بذكره" یعنی شکر اس اللہ کا جس نے میرے جسم میں عافیت بخشی اور میری روح کو واپس کیا اور مجھے اپنے ذکر کی توفیق دی۔ (جامع ترمذی ح: ۳۴۰۱، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص پاک ہو کر رات گزارتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ رات گزارتا ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! تو اپنے فلاں بندے کو بخش دے، اس لیے کہ اس نے پاک رہ کر رات گزاری ہے۔ (صحیح ابن حبان ح ۱۰۵۱، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۵۳۹)

یہ اور ان کے علاوہ جو آداب سونے اور جاگنے کے سلسلہ میں احادیث میں موجود ہیں، اگر ان پر عمل کیا جائے تو یقیناً دنیا و آخرت میں بہت فائدہ مند ہوگا، اللہ تعالی ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے، آمین۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆